جمادی الثانیہ، رجب

علم کا ذوق عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

فروری **2021**

ماہنامہ

ذوق شوق

کراچی

J.
FRAGRANCES
POUR FEMME
An elusive fragrance, J. Pour Femme reflects the persona and charisma of a woman who is determined and self reliant. It is the best pick of this summer, for those who value their uniqueness and individuality.
J.
POUR FEMME
EAU DE PARFUM
℮ 100 ML 3.4FL OZ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
Shop online at www.junaidjamshed.com
J.Fragrances
J.JunaidJamshed
FragrancesJ
J.Fragrances

YoungsFood
Young's®
Success Ka Secret
Maa Ke Haath Ka Pyaar Aur...
Young's®
Chicken Spread
يونغز دجاج قابلة للدهن
Power of 5
Real Chicken Chunks
200ml
٢٠٠ مل
Young's®
Chicken Spread
Bar-B-Que
يونغز دجاج قابلة للدهن
باربي كيو
ALSO AVAILABLE IN BBQ FLAVOUR
Full Nutrition, Complete Meal!

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
IMLI GINGER SAUCE
BAR-B-Q SAUCE
GREEN CHILLI SAUCE
GARLIC CHILLI SAUCE
SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES
TASTY!
DELICIOUS!
KHAANON KAY MUST HAVES!
Shangrila
TOMATO KETCHUP
SMART PACK
Tantalize your taste buds
Shangrila
TOMATO KETCHUP
Tantalize your taste buds
600g
21.16 oz
www.shangrila.com.pk
shangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

پیغامِ الٰہی جلّ جلالہٗ

عبدالعزیز

(مفہوم آیات: ۸۱، ۸۲ از سورۂ بقرہ)

"(چند روز کے علاوہ اے یہودیو! تمھیں جہنم کی آگ) کیوں نہیں (لگے گی، بل کہ ہمیشہ اس میں رہو گے، کیوں کہ ہمارا اُصول یہ ہے کہ) جس شخص نے جان بوجھ کر گناہ کیا اور اُس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا (کہ نیکی کا اثر تک نہ رہا) تو ایسے لوگ جہنم والے ہیں، وہ ہمیشہ (ہمیشہ) جہنم میں رہیں گے اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیے، وہ لوگ جنت والے ہیں، وہ ہمیشہ (ہمیشہ) جنت میں رہیں گے۔"

عزیز دوستو!

یہودی لوگ چوں کہ یہ کہتے تھے کہ ہم جہنم میں گئے بھی تو وہاں چند روز ہی رہیں گے، ہمیشہ نہیں رہیں گے، اس لیے ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ان یہودیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ یہ یہودی لوگ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، کیوں کہ ہمارا، یعنی اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ جو بھی لوگ بُرائی کے کام کریں اور اُن کے برے کام انھیں ایسے گھیر لیں کہ وہ لوگ کفر اختیار کر لیں، مثلاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ آخری نبی ہیں، انھیں نبی اور رسول تسلیم نہ کریں، ان پر ایمان نہ لائیں تو ہمارے اصول کے مطابق ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں۔

اس کے برعکس ہمارا یہ بھی اصول ہے کہ جو لوگ ہم پر اور ہمارے رسول پر ایمان لے آئیں اور نیک کام بھی کرتے رہیں تو وہ لوگ جنتی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایمان اور عمل صالح والا بنائے، تاکہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں۔

پیغامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

راشد علی نواب شاہی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور چلنے والا، بیٹھنے والے کو سلام کرے اور دو چلنے والوں میں سے جو دُوسرے کو سلام کرنے میں پہل کرے وہ افضل ہے۔" (مسند بزار، صحیح ابن حبان)

عزیز ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہم ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ مسلمان ملاقات کرتے وقت سب سے پہلے سلام کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم ایک دوسرے کو دُعا دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کی سلامتی عطا فرمائے۔

سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہا جاتا ہے۔

سلام کرنا سنت ہے۔ مصافحہ بھی کرنا چاہیے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے قریب وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

عزیز ساتھیو! اوپر جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس میں ہمیں سلام کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی سواری پر سوار ہو تو پیدل چلنے والے کو سلام کرنا سوار کا حق ہے۔ اگر کوئی پیدل چل رہا ہو تو بیٹھنے والے کو سلام کرنے میں پہل کرنا پیدل چلنے والے کا حق ہے اور اگر کوئی چل رہا ہو اور دوسرا مسلمان بھی سامنے سے آ رہا ہے تو پھر جو سلام میں پہل کرے گا وہ افضل ہے۔

سلام میں جو پہل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے تکبر کرنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

عزیز ساتھیو! لہٰذا آج سے ہم نیت کریں، جنھیں ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے، ہر مسلمان کو سلام کرنے میں پہل کریں گے۔ ایک مسلمان کی دعا دوسرے مسلمان کے لیے قبول ہوتی ہے۔

نیت کریں کہ ہم دعا دینے میں پہل کریں گے اور پہلے سلام کرنے کی فضیلت حاصل کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ!

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

جمادی الثانیہ، رجب ۱۴۴۲ ہجری | جلد: 16

شمارہ: 02

ناشر ~ محمد عارف رشید

مجلس ادارت

■ مدیر ~ عبدالعزیز

■ معاون ~ محمد طلحہ شاہین

مجلس مشاورت

پروفیسر محمد احمد خان صاحب

راشد علی نواب شاہی

سرورق السٹریٹر ~ سید ناصر

آرٹسٹ ~ قیصر شریف

کمپوزر ~ سعد علی

نگران ترسیل ~ منور عمر

اس رسالے کی تمام آمدنی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وقف ہے۔

قیمت 70

سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک 1000/=

بذریعہ عام ڈاک 750/=

ماہ نامہ ذوق و شوق میں اشتہار شائع کرنے کا مطلب تصدیق ہے نہ سفارش۔ یہ صرف عوام کو مطلع کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنوعات کے بارے میں قارئین خود تحقیق فرمالیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔او۔بکس نمبر 17984 پوسٹ کوڈ 75300 گلشن اقبال، کراچی

Email: zouqshouq@hotmail.com

zouq shouq/ذوق شوق

اشتہارات اور سالانہ خریداری کے لیے رابطہ کریں

0213-4990760, 0341-4410118

What's app: 0324-2028753

دفتری اوقات: صبح 8:00 تا 1:00 دوپہر 2:30 تا 6:00

عنوان	مصنف	صفحہ
سیرت کہانی	عبدالعزیز	06
بلاعنوان (۱۶۲)	مریم شہزاد	09
سونے سے قیمتی	انسپکٹر احمد عدنان طارق	10
چکور۔ ہمارا قومی پرندہ	رانا محمد شاہد	13
جھوٹوں کے جھوٹے ۱۳	حافظ محمد دانش عارفین حیرت	15
چوزہ (نظم)	عشرت زاہد	19
اعتراف جرم (درختوں سے)	محمد شہروز اسلم	20
بیٹی	ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی	22
مکڑی کا جال	عالیہ ذوالقرنین	23
خیالی پلاؤ	ڈاکٹر الماس روحی	25
ایک سیر ایک سبق	تماضر ساجد	27
گاجر کی کہانی	محمد فاروق دانش	28
مٹی کا گھڑا	سکندر خاکی	32
پرانا کراچی	بلال ہاشمی	33
صدمہ	محمد فضیل فاروق	35
بلی اور چنکی	روبینہ عبدالقدیر	37
راہِ انقلاب	محمد حذیفہ رفیق زم زمی	39
مرغا (نظم)	ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی	41
عزیز بچے	عمارہ فہیم	42
گوگو	مصباح ناز	45
سیدھا راستہ	الطاف حسین	48

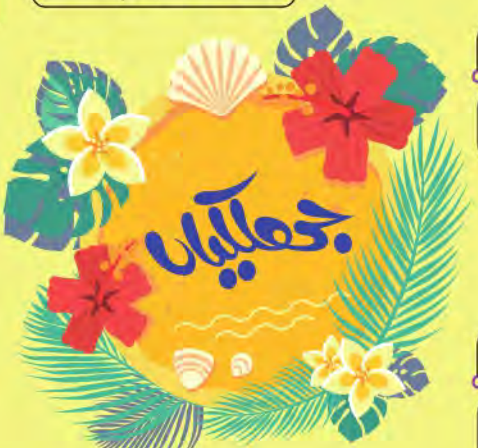

پبلشر محمد عارف رشید نے بچوں کی تعلیمی و تربیتی ترقی و اصلاح کی خاطر ابن حسن پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

PARADISE BOOKS DISTRIBUTORS

Karachi: J-73, UNIT-1, GROUND FLOOR, OFF ALLAMA IQBAL ROAD, PECHS BLOCK-2, KARACHI. 021-34314981
LAHORE: SIDDIQUE MANAZIL, 2ND FLOOR, 40-ABBOT ROAD, STREET NEON PRINCE , LAHORE. 051-48430042
RAWALPINDI: OFFICE NO 2, FIRST FLOOR, STAR PLAZA, PARADISE HOUSE, RAWALPINDI. 042-3629701

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب بخیر وعافیت ہوں گے۔

ہم حسبِ معمول آج بھی گھر کا سودا سلف لینے نکلے۔ ہمیں آٹا، گوشت، سبزی وغیرہ لینی تھی۔ سب سے پہلے ہم مرغی کا گوشت لینے اسی دکان دار کے پاس پہنچے جس سے ہم اکثر گوشت لیا کرتے ہیں۔ وہ صاحب فون پر مصروف تھے۔ ان کی دکان پر ایک نیا نوجوان نظر آیا، جسے آج سے پہلے ہم نے اس دکان پر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ ہم نے اس سے گوشت کے نرخ پوچھے۔ اس نے اردو کے اچھے لب و لہجے میں ہمیں نرخ بتا دیے۔ ہم نے اسے گوشت کی مطلوبہ مقدار بتادی اور وہ اسے تولنے لگا۔

''آپ کراچی ہی کے ہیں؟'' ہم نے حسبِ عادت اس سے پوچھا۔

''میں پنجاب کا ہوں الحمدللہ!'' اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

''ماشاءاللہ! اچھی بات ہے۔'' ہمارے منہ سے بھی فوراً نکلا۔

''ویسے آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے کہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میں کراچی کا ہوں یا نہیں، گویا آپ تعصب سے کام لے رہے ہیں۔'' اس نے قدرے ناگوار لہجے میں کہا۔

''ارے بھائی! ہم نے تعارف کے طور پر پوچھا ہے اور قرآن کریم میں ہے: 'ہم نے تمھیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے، تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔'' ہم سمجھ گئے کہ انھیں ہمارا سوال کچھ اچھا نہیں لگا۔ ہم نے انھیں مزید کہا کہ ''اگر ہم آپ کے جواب 'میں پنجاب کا ہوں الحمدللہ!' کے بعد بُرا منا کر یہاں سے چلے جاتے تو شاید تعصب ہوتا، ہم نے تو 'ماشاءاللہ!' کہا اور آپ ہی سے سودا لے رہے ہیں، یہ تعصب ہرگز نہیں ہے۔''

اور یہ بات ہم نے اس لیے کہی کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! کیا اپنی قوم سے محبت کرنا بھی تعصب اور عصبیت ہی کا حصہ ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہیں! (یعنی قوم سے محبت کرنا کوئی بُرا نہیں اور نہ ہی یہ تعصب کہلاتا ہے، بل کہ) تعصب یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرے۔''

(احمد وابن ماجہ، مشکوٰۃ/۴۱۸)

ہم نے اس نوجوان سے مزید کہا: ''ہمیں آپ کے اردو کے لب و لہجے نے متاثر کیا تھا، لہٰذا ہم آپ سے پوچھ بیٹھے کہ آپ کراچی ہی کے ہیں؟''

اب وہ نوجوان خاموش تھا اور مطمئن بھی، جیسے کہہ رہا ہو کہ میں آپ کے سوال کو تعصب سمجھا تھا، جب کہ آپ کی مراد یہ نہیں تھی۔

ویسے ہمارا مقصد اِس طرح کے سوال سے تعارف ہی ہوا کرتا ہے، تاکہ کچھ انسیت ہو جائے اور یوں سودا لینے کے ساتھ ساتھ کچھ دینی بات بھی ہو سکے۔

خیر! موقع تو اَب بھی ہمارے ہاتھ آ گیا تھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ ہمیں موقع مل گیا نا!؟

عبدالعزیز

سیرت کہانی (۲۱)

عبدالعزیز

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک زندگی اور سیرت کے اہم واقعات پر مبنی ایک پیارا سلسلہ۔

حج کا موسم آیا اور چاروں طرف سے لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو آپ ﷺ خود اُن کی جگہوں پر تشریف لے جا کر اُنھیں اسلام کی طرف دعوت دینے لگے۔

آپ ﷺ تو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے اور آپ کا چچا ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا، وہ اپنے تمام کام چھوڑ کر آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا پھرتا:

''اے لوگو! یہ شخص تمھیں لات اور عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور تمھیں گم راہی کی طرف بلاتا ہے۔ اس کی اطاعت نہ کرنا۔''

بہر حال آپ ﷺ نے مختلف قبیلوں کے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور اُنھیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ کسی نے نرمی سے جواب دیا تو کسی نے سختی سے۔

بعض لوگوں نے کہا:

''ہم اس شرط پر آپ کی مدد کریں گے کہ آپ جب کام یاب ہوں تو اپنے بعد ہمیں اپنا خلیفہ بنائیں گے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ میرے اختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ کو اِختیار ہے، جسے چاہے خلیفہ بنائے۔''

(سیرت ابن ہشام، ج:۱)

بنی ذہل بن شیبان ایک قبیلہ تھا۔ آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے۔ مفروق بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ اس قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مفروق سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''کیا تمھیں رسول اللہ ﷺ کے نبی اور رسول بنا کر بھیجے جانے کی خبر نہیں ہوئی؟ یہی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

مفروق نے کہا:

''ہاں، میں نے آپ کا تذکرہ سنا ہے۔ اے میرے بھائی! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔''

آپ نے ﷺ فرمایا:

''اللہ کو ایک مانو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ مجھے اس کا رسول مانو اور اُس کے دین کی مدد کرو۔ قریش کے لوگوں نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اُس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے نشے میں حق بات سے بے پروا ہو گئے، حال آں کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بے نیاز ہے، اسے کسی کی ضرورت نہیں۔ تم اس کے دین کو قبول کرو، اس کی مدد کے لیے کھڑے ہو۔ اگر تمھیں اپنی اصلاح کی فکر ہے تو حق بات کو قبول کرو اور گم راہی سے توبہ کرو۔''

مفروق نے کہا:

''آپ اور کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے سورہ انعام کی آیت نمبر: ۱۵۱ کی تلاوت فرمائی۔ اس کا مفہوم ہے:

''آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ، میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جنھیں تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا، اولاد کو غربت کی وجہ سے قتل نہ کرنا، ہم تمھیں بھی روزی دیں گے اور اُنھیں بھی اور بے حیائی کی باتوں کے پاس بھی مت جانا، چاہے وہ بے حیائی کی باتیں کھلی ہوئی

ہوں

یا چھپی ہوئی اور جس

کا خون تم پر اللہ نے حرام کیا ہے

اسے قتل مت کرنا، سوائے اس کے کہ صحیح بات ہو۔ اللہ تمھیں ان باتوں کا تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے، تاکہ تم سمجھو۔''

مفروق نے کہا:

''خدا کی قسم یہ کلام تو زمین والوں کا نہیں ہے۔ اے میرے بھائی! اور کس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے سورہ نحل کی آیت نمبر: ۹۰ تلاوت فرمائی، جس کا مفہوم ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں انصاف اور اِحسان کرنے کا اور رشتے داروں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے اور ہر بے حیائی اور بُری بات سے تمھیں منع کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

مفروق نے کہا:

''خدا کی قسم! آپ نے نہایت عمدہ باتوں کی طرف بلایا ہے، لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے قبیلے والوں سے پوچھے بغیر اُن کی غیر موجودگی میں آپ سے کوئی وعدہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا، کیوں کہ معلوم نہیں کہ وہ لوگ اس وعدے کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے کہ ہم کسریٰ کی بادشاہت میں رہتے ہیں اور کسریٰ سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں کہ کوئی نئی بات بغیر اُسے بتلائے نہیں کریں گے اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر ہم آپ سے اس قسم کا معاہدہ کریں تو کسریٰ کو ضرور بُرا لگے گا۔''

آپ ﷺ نے مفروق کی اس سچائی کو پسند فرمایا اور یہ فرمایا:

''اللہ اپنے دین کا خود مددگار ہے اور جو لوگ اس کے دین کی مدد کریں گے عن قریب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کسریٰ کی زمین کا وارث بنائے گا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر مجلس سے اٹھ گئے اور قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ جو مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے، ان کی مجلس میں پہنچے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کی مدد کا وعدہ بھی کیا۔

(روض الانف، ج:۱، ص: ۲۶۴)

حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کا چند دیگر نوجوانوں کے ساتھ مکہ آنے کا واقعہ بھی اسی سال کا ہے۔ یہ واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے کہ مدینے میں زیادہ آبادی اوس اور خزرج کے قبیلوں کی تھی، جو شرک کرنے والے اور بت پرستی کرنے والے تھے۔ مدینے میں ان کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے، جو اہل کتاب اور علم والے لوگ تھے۔ یہودی چوں کہ اقلیت میں تھے، اس لیے جب کبھی یہودیوں کا اوس اور خزرج سے کوئی جھگڑا ہوتا تو یہودی یہ کہا کرتے تھے:

''عن قریب آخری نبی آنے والے ہیں، ہم ان کی بات مانیں گے اور اُن کے ساتھ ہو کر تمھیں (یعنی اوس اور خزرج والوں کو) قوم عاد اور قوم ارم کی طرح ہلاک و برباد کر دیں گے۔''

جب حج کا موسم آیا تو قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ یہ نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ آں حضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اُنھیں اسلام کی دعوت دی، قرآن پاک کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''بخدا! یہ وہی نبی ہیں جن کا یہودی ذکر کیا کرتے ہیں۔ دیکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خوش بختی میں یہودی ہم سے آگے نکل جائیں۔'' اور وہ لوگ اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اسلام لے آئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! ہم تو آپ پر ایمان لے آئے۔ یہودیوں سے ہمارا اکثر جھگڑا ہوتا رہتا ہے، لہٰذا اگر آپ اجازت دیں تو واپس جا کر اُنھیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ بھی دعوت کو قبول کر لیں اور اِس صورت میں ہم سب آپ کے بارے میں متفق ہو جائیں تو پھر آپ سے زیادہ کوئی عزت والا نہ ہوگا۔'' یہ ایمان لانے والے قبیلہ خزرج کے چھے آدمی تھے، جن کے نام پہلے آ چکے ہیں۔

نبوت ملنے کے بارھویں سال بارہ آدمی مدینہ منورہ سے مکے حاضر ہو کر

آپ ﷺ سے ملے۔ پانچ تو وہی تھے جو پہلے آ چکے تھے۔ ان کے نام پہلے لکھے جا چکے ہیں۔ سات ان کے علاوہ تھے، جن کے نام یہ ہیں:

ا۔ معاذ بن حارث۔ ۲۔ ذکوان بن عبد قیس۔ ۳۔ عبادہ بن صامت۔ ۴۔ یزید بن ثعلبہ۔ ۵۔ عباس بن عبادہ ۶۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان۔ ۷۔ عویم بن ساعدہ۔ ان حضرات نے رات کے وقت منیٰ میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اولاد کو قتل نہ کریں گے اور کسی پر بہتان نہ لگائیں گے۔''

یہ انصار کے لوگوں کی پہلی بیعت تھی جسے ''بیعت عقبہ اولیٰ'' (گھاٹی میں کی گئی پہلی بیعت) کہا جاتا ہے۔

(''بیعت'' کہتے ہیں: ''اپنی جان و مال کو جنت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کو فروخت کر دینا۔'')

جب یہ لوگ بیعت کر کے مدینہ منورہ واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کو قرآن کریم سکھانے اور اِسلام کے احکام بتلانے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا۔ مدینے پہنچ کر اُنھوں نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام کیا۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مدینے کے مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

ایک دن مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اِسلام کی دعوت دے رہے تھے، بہت سارے لوگ جمع تھے۔ اسید بن حضیر کو اِس بات کی خبر ہوئی تو تلوار لے کر پہنچے اور کہا:

''آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟ آپ ہمارے بچوں اور عورتوں کو کیوں بہکاتے ہیں؟ بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے یہاں تشریف رکھیں اور میری بات سنیں، اگر پسند آئے تو قبول کر لیں اور اگر ناپسند ہو تو قبول نہ کریں۔''

''اسید بن حضیر نے کہا:

''بے شک آپ نے یہ انصاف کی بات کہی۔'' اور بیٹھ گئے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اسید بن حضیر کہنے لگے:

''کیا ہی عمدہ اور بہتر کلام ہے!'' اور پوچھا:

''اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟'' مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''سب سے پہلے اپنے جسم اور کپڑوں کو پاک کریں، پھر غسل کریں، پھر کلمہ شہادت پڑھیں اور نماز ادا کریں۔''

وہ اسی وقت اٹھے، کپڑے پاک کیے، غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور کہا:

''ایک اور شخص ہے سعد بن معاذ۔ اگر وہ مسلمان ہو گیا تو پھر اَوس قبیلے میں سے کوئی شخص بغیر مسلمان ہوئے نہ رہے گا۔ میں ابھی جا کر اُسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔''

سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر کہا:

''یہ وہ اسید نہیں لگ رہے جو یہاں سے گئے تھے۔''

جب قریب پہنچے تو سعد بن معاذ نے ان سے پوچھا:

''آپ نے کیا کیا؟'' اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مجھے ان کی بات ماننے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوا۔''

سعد بن معاذ کو غصہ آ گیا اور تلوار لے کر خود مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اَسعد بن زرارہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''اگر تم سے میری رشتے داری نہ ہوتی اور تم میرے خالہ زاد بھائی نہ ہوتے تو اَبھی تلوار سے تمھارا کام تمام کر دیتا۔ قوم کو بہکانے کے لیے تم ہی انھیں یہاں لے کر آئے ہو۔'' مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے سعد! کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سنیں۔ اگر پسند آئے تو قبول کر لیں، ورنہ پھر جو چاہے کریں۔'' سعد یہ کہہ کر کہ ''آپ نے انصاف کی بات کہی۔'' بیٹھ گئے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ ان کی پوری بات سنتے ہی سعد بن معاذ کا رنگ بدل گیا اور پوچھا:

''اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟'' مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''سب سے پہلے کپڑے پاک کریں، پھر غسل کریں، پھر کلمہ شہادت پڑھیں اور دو رکعت نماز اَدا کریں۔'' سعد بن معاذ اُسی وقت اٹھے، غسل کیا، کلمہ شہادت پڑھا اور دو رکعت نماز ادا کی اور یہاں سے اٹھ کر سیدھے اپنی قوم کی طرف گئے۔ قوم کے لوگوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر دُور ہی سے پہچان لیا کہ یہ وہ سعد نہیں لگ رہے۔ مجلس میں پہنچتے ہی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا:

بقیہ صفحہ نمبر 38 پر

بلاعنوان ۱۶۲

مریم شہزاد۔ کراچی

''میرے تایا بہت بیمار ہیں۔ پلیز، پلیز! ان کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانی کریں۔'' اور ساتھ ہی ساتھ کتنے ہی ایموجیز! کسی میں آنسو بہہ رہے ہیں، کسی میں ہاتھ جوڑ کر اللہ اور رسول کے واسطے دیے جا رہے ہیں تو کسی میں دعا کے لیے اٹھے ہاتھوں کی تصویر۔

''کیا ہے یہ سب؟ ایسا پیغام پڑھ کر تو دُعا کرنے کے بجائے ہنسی آنے لگتی ہے، مذاق محسوس ہوتا ہے۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی اتنا پریشان ہو اور اِتنے اُلٹے سیدھے ایموجیز کے ساتھ دعا مانگنے کو کہے!؟''

امی اپنی بات پوری کرکے اب ارم کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''امی! لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں، جبھی تو دُعا کرنے کو کہتے ہیں۔'' ارم نے فیس بک کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

''میرے ماموں جان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ جان کی بازی ہار گئے۔'' اور پھر بہت سارے ایموجیز۔

''اچھا، اور یہ؟'' امی نے ایک اور میسج کی طرف ارم کی توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا، اگر تمھارا کوئی قریبی بیمار ہو تو تم کیا فیس بک کھول کر اسٹیٹس لگانے بیٹھ جاؤ گی؟ یا اتنے پھول پتیوں اور ایموجیز کے ساتھ سب کو دعا مانگنے کے میسج کرنے لگو گی یا اس پریشانی میں تمھیں یہ خیال آئے گا کہ صرف اور صرف اللہ پاک سے مدد مانگو؟''

''اوہو امی! ہم ہر جگہ خود کو کیوں رکھ کر سوچیں۔ بھئی کسی نے کہا ہے کہ دعا کرو تو بس ہم 'آمین' لکھ کر آگے بڑھ گئے۔ کیا پتا کس کی دعا قبول ہو جائے!'' ارم نے کہا اور وہاں سے اٹھ جانے میں ہی عافیت جانی، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ امی اسے قائل کر ہی لیں گی۔

یوں تو ارم کی امی بھی فیس بک استعمال کرنے والوں کے خلاف نہیں تھیں، مگر کسی بھی چیز کے غلط استعمال پر اُنھیں غصہ آ جاتا تھا۔

چند دِن بعد اچانک ارم کا بھائی عدنان سیڑھیوں پر سے گر گیا۔ ارم اس کے قریب ہی تھی، اس نے گھبرا کر امی کو آواز دی:

''امی، امی! جلدی آئیں، عدنان سیڑھیوں سے گر گیا ہے۔''

مگر پھر فوراً ہی اسے خیال آیا کہ امی تو گھر پر ہیں ہی نہیں، بل کہ کسی کام سے گئی ہوئی ہیں۔

اس نے بڑی مشکل سے بھائی کو اُٹھایا اور سہارا دے کر کمرے میں لے کر آئی، شکر ہے کہ اس کا خون نہیں نکلا تھا۔ اس نے امی کو فون کیا، امی جلد ہی آ گئیں۔

عدنان کے پاؤں میں بہت درد ہو رہا تھا۔ امی اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں کہ اس کا ایکسرے وغیرہ کروالیں۔

بہترین عنوان تجویز کرنے پر 250، دوسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 150، تیسرا بہترین عنوان تجویز کرنے پر 100 روپے انعام دیا ئے گا۔ ''بلاعنوان'' کے کوپن پر عنوان تحریر کرکے ارسال کریں۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 28 فروری 2021 ہے۔

نوٹ: کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابل قبول نہ ہوگا۔

سونے سے قیمتی

انسپکٹر احمد عدنان طارق۔فیصل آباد

رحیم اور عظیم پڑوسی تھے اور وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتے تھے۔ رحیم کی طبیعت میں سخاوت اور نیک دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جب کہ اس کے بالکل برعکس عظیم ایک لالچی اور خودغرض شخص تھا۔

شدید سردیوں کا ایک دن تھا۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ رحیم اپنے گھر سے کافی دور اپنے گھوڑے اور خچر کو لے کر جنگل میں لکڑیاں اکٹھی کر رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس نے اتنی لکڑیاں اکٹھی کر لی ہیں جو چار پانچ دن جلانے کے لیے کافی ہوں گی تو وہ گھر جانے کے لیے واپس مڑا۔ راستے میں اسے ایک بوڑھا شخص ملا، جس کی لمبی سفید داڑھی تھی۔

بوڑھا شخص لکڑیاں اٹھانے کے لیے جھکا تھا، لیکن اب وہ سیدھا نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ بہت بوڑھا تھا اور سردی سے اس کا بُرا حال تھا۔ رحیم اسے سمجھاتے ہوئے کہنا لگا:

''بابا جی! آپ کو اتنی سردی میں گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔''

بوڑھا شخص کانپتے ہوئے بولا:

''اگر میں لکڑیاں جلانے کے لیے نہیں لے کر جاؤں گا تو ٹھٹھر کر مر جاؤں گا۔''

بوڑھے کی بات سن کر رحیم بولا:

''آپ میری آدھی لکڑیاں لے لیں۔''

یہ الفاظ سنتے ہی بوڑھا شخص جیسے جوان ہو گیا۔ اس نے تیزی سے کمر سیدھی کی اور سیدھا ہو کر کہنے لگا:

''تم بہت مہربان شخص ہو۔ اب میرے ساتھ آؤ۔ میں تمھیں تمھاری نیکی کے بدلے میں اتنا سونا دوں گا جتنا تم اور تمھارے جانور اُٹھا سکیں، لیکن تمھیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا کہ گھر جاتے وقت اگر کوئی مصیبت زدہ شخص تم سے مدد مانگے تو تم اس کی مدد کرو گے۔''

رحیم نے بوڑھے شخص کی بات فوراً مان لی اور اُس کے پیچھے پیچھے اس کی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جھونپڑی میں سونے کی اشرفیوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ بوڑھا شخص بولا:

''ان میں سے جتنی اشرفیاں تم لے جا سکتے ہو لے جاؤ اور انھیں استعمال کرو۔''

یہ کہہ کر اُس نے اشارہ کر کے رحیم کو کافی مضبوط بنی ہوئی کئی ٹوکریاں بھی دکھائیں جو وہاں موجود تھیں۔

رحیم بت بنے کھڑا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ وہ سونے کی اشرفیوں کے انبار کو یوں گھور رہا تھا جیسے کسی نے اس پر جادو کر دیا ہو۔ بوڑھے شخص نے اسے جیسے خواب سے جگاتے ہوئے کہا:

''بہتر ہے کہ اب تم گھر جاؤ، کچھ دیر میں راستے میں اندھیرا ہو جائے گا۔''

رحیم نے اثبات میں سر ہلایا، لیکن اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ اُس نے خچر سے لکڑیاں اتار کر بوڑھے شخص کو دیں، پھر اُس نے دو چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں اٹھائیں اور اپنے خچر کی کمر پر رکھیں۔ اس نے دونوں ٹوکریاں بھی بس آدھی آدھی بھر لیں، کیوں کہ وہ اپنے خچر پر زیادہ بوجھ لادنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے

صرف وہ لکڑیاں رہنے دیں جو اُس نے گھوڑے پر لادی ہوئی تھیں، پھر اُس نے بوڑھے شخص کا شکریہ ادا کیا اور اپنے خچر اور گھوڑے کو گھر کی طرف بڑھایا۔ بوڑھے شخص نے چلتے ہوئے اسے وعدہ یاد دلاتے ہوئے کہا:

”دوست! اپنا وعدہ مت بھولنا۔“

رحیم ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس نے ایک بوڑھی عورت اور اُس کے بچوں کے رونے کی آواز سنی۔ بوڑھی عورت نے اس سے التجا کرتے ہوئے کہا:

”جناب! خدا کے لیے ہماری مدد کیجیے۔ میری بھینس مر گئی ہے۔ اب میرے پاس دودھ نہیں ہوگا، جسے میں بازار میں بیچ سکوں۔ اب میں اپنے بچوں کو روٹی کیسے کھلاؤں گی؟“

رحیم نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں اسے کہا:

”بہن! اپنے آنسو پونچھ لو، میں تمھیں پیسے دیتا ہوں، جن سے تم ایک اور بھینس خرید لو، بل کہ کئی بھینس خرید لو۔“

یہ کہہ کر رحیم نے سونے کی اشرفیوں سے بھری ٹوکری عورت اور اُس کے بچوں کو دے دی اور پھر وہاں سے کچھ لکڑیاں اکٹھی کر کے ٹوکری کی جگہ خچر پر لاد لیں۔ تھوڑے فاصلے پر اُسے ایک بوڑھا ملا، جس کے پاس ایک لنگڑا گھوڑا تھا۔ بوڑھے شخص نے استدعا کی:

”کیا آپ اپنے گھوڑے پر مجھے بھی گھر تک سوار کر لیں گے۔ میرے گھوڑے کا پیر ایک سوراخ میں پھنس گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ گر کر لنگڑا ہو گیا ہے۔ میں گھر دیر سے گیا تو میری بیوی بہت فکر مند ہوگی۔“

رحیم بولا: ”کیوں نہیں! بل کہ آپ ایسا کریں کہ اپنے گھوڑے کا تبادلہ میرے گھوڑے سے کر لیں۔ اس سے آپ کو دیر نہیں ہوگی۔“ رحیم نے اپنے گھوڑے پر لدی ہوئی لکڑیاں اتار لیں۔ بوڑھے کو اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور خوشی خوشی اس کے گھر کی طرف روانہ کیا۔ اب رحیم لنگڑے گھوڑے پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے بہت سی لکڑیاں جنگل میں ہی چھوڑ دیں اور خچر کو لیے گھر کی طرف روانہ ہو گیا، جس پر لکڑیاں اور اَشرفیاں لدی ہوئی تھیں، لنگڑا گھوڑا اُن کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ رحیم نے دیکھا کہ گھوڑا تکلیف میں ہے۔ وہ اس کی خاطر رُک گیا اور سوچا کہ وہ کچھ کھا بھی لے۔

وہ کھانا کھا رہا تھا کہ ایک اور بوڑھی عورت اس کے پاس آئی اور کہنے لگی:

”جناب! مجھے بھی کچھ کھانے کو دے دیں، میں نے صبح سے چند بیر چُن کر کھائے ہیں، ان کے علاوہ کچھ نہیں کھایا۔“

رحیم کو اُس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے بوڑھی عورت کو کھانا کھلایا اور باقی اشرفیوں میں سے آدھی اسے دے دیں۔ رحیم گھر پہنچا تو اُس نے خچر سے لکڑیاں اور باقی اشرفیاں اتاریں جو اَب اصل کا صرف چوتھائی حصہ رہ گئی تھیں، پھر اُس نے جلدی سے خچر اور گھوڑے کے آگے چارہ ڈالا، آتش دان میں چند لکڑیاں ڈال کر آگ جلائی اور بستر میں گھس گیا۔

وہ کافی سرد رات تھی۔ رحیم کو آتش دان میں جلانے کے لیے مزید لکڑیاں ڈالنے کے لیے بستر سے نکلنا پڑا، لیکن جیسے ہی وہ لکڑیوں کے ٹال کے پاس پہنچا تو جیسے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہاں اشرفیوں سے بھری ہوئی تین بڑی بڑی ٹوکریاں رکھی ہوئی تھیں اور سونے کی روشنی سے ساری جگہ جگ مگا رہی تھی۔ رحیم حیران ہو کر سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ اسی لمحے عظیم دوڑتا ہوا رحیم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

”مجھے لگا جیسے تمھارے گھر میں آگ لگ گئی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ آگ میرے گھر تک بھی پھیل جائے۔ ارے، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں!؟ تمھارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟“

رحیم نے اسے ساری بات بتائی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے بوڑھے شخص کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کا بھی بتاتا عظیم وہاں سے چلا ہو گیا۔

اگلے دن صبح صبح عظیم گھوڑے پر سوار ہو کر اور دو خچر ساتھ لے کر بوڑھے شخص کو ڈھونڈنے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ بوڑھا شخص سے ملا تو اُس نے لکڑیاں اکٹھی کر کے دینے کا کہا۔ عظیم نے بوڑھے کی مدد کر دی تو اُس نے کہا:

”میں تمھیں اتنا سونا دوں گا جتنا تم اور تمھارے جانور اُٹھا سکیں گے، لیکن تمھیں وعدہ کرنا ہوگا کہ گھر جاتے ہوئے جو بھی تم سے مدد مانگے گا تم اس کی مدد کرو گے۔“ عظیم نے بوڑھے سے ایسا کرنے کا وعدہ کیا اور پھر بے صبری سے بوڑھے کے پیچھے اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر میں سونا دیکھ کر البتہ وہ ایسے حیران نہیں ہوا جیسے رحیم ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ وہ کیسے زیادہ سے زیادہ سونا گھر لے جا سکتا ہے، پھر اُس نے جلدی سے سب سے بڑی چھے ٹوکریاں اٹھائیں اور دو دو تینوں جانوروں پر لاد دیں۔ اُس نے ٹوکریوں میں اتنی اشرفیاں بھر دی تھیں کہ جانوروں سے بوجھ کے مارے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا، پھر اُس نے ٹوکریوں پر بھاری کمبل ڈال دیے، تا کہ کسی کی نظر اَشرفیوں پر نہ پڑ سکے، حتیٰ کہ اس نے اپنی جیبیں بھی اشرفیوں سے بھر لیں۔ عظیم گھر سے نکلنے لگا تو بوڑھے نے

اسے کہا کہ وہ اپنا وعدہ نہ بھولے۔

عظیم ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا جب اس نے ایک بوڑھے کی چلانے کی آواز سنی۔ بوڑھا اپنی بھیڑ کو بچاتے ہوئے خود ایک کیچڑ سے بھرے تالاب میں گر گیا تھا۔ وہ منت کرتے ہوئے بولا:

''میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر باہر نکالو۔ مجھے لگتا ہے میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔''

عظیم نے غصے سے بوڑھے کہا:

''خود ہی باہر نکلو بڑے میاں! میں اپنے جوتے اور کپڑے تمھاری وجہ سے گندے نہیں کر سکتا۔''

یہ کہہ کر وہ بوڑھے کو اُسی حال میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ چوں کہ جانوروں پر بہت زیادہ بوجھ لدا ہوا تھا اس لیے وہ بہت آہستگی سے سفر کر رہے تھے۔ جلد ہی عظیم تھک گیا۔ وہ آرام کے لیے رُکا، تا کہ کچھ کھا پی لے۔ وہ کھانا کھا رہا تھا کہ ایک عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ اس کے پاس آئی۔ اس نے درخواست کرتے ہوئے کہا:

''جناب! ہمیں بھی کچھ کھانے کو دے دیں۔ ہم نے صبح سے اب تک جنگلی بیروں کے علاوہ کچھ نہیں کھایا۔''

عظیم کو بہت زیادہ غصہ آیا۔ وہ بڑی کرخت آواز میں چلایا:

''تو اُنھی بیروں سے گزارا کرو۔'' یہ سن کر مایوس عورت اپنے بھوکے بچوں کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔ راستے میں عظیم کو ایک اور بوڑھا شخص ملا، جس کے کپڑے چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ وہ گڑگڑاتا ہوا بولا:

''جناب! میں سردی سے بے حال ہوں۔ خدا کے لیے اپنے کمبلوں میں سے ایک مجھے دے دیں۔''، عظیم ایک دفعہ پھر گرجتا ہوا بولا:

''بالکل نہیں! تم نے جو پہنا ہوا ہے وہی تمھارے لیے کافی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ مڑا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور بوڑھے کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔

جیسے ہی گھر پہنچا وہ فوراً گھوڑے اور خچروں کو اصطبل میں لے گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور سونا دیکھنے لگا۔ اس نے ٹوکریوں سے کمبل ہٹایا تو وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ اشرفیوں کی جگہ کیچڑ بھرا ہوا تھا اور خچر پر لدی ہوئی ٹوکریوں میں جنگلی بیر تھے۔ جلدی جلدی اس نے دوسرے خچر پر لدی ہوئی ٹوکریوں کو دیکھا تو وہاں بھی سونے کی اشرفیوں کے بجائے چیتھڑے تھے، پھر جب عظیم نے اپنی جیبوں کو ٹٹولا تو وہاں رکھی اشرفیاں پتھر کے ٹکڑے بن چکی تھیں۔

بچو! آپ نے دیکھا۔ دراصل عظیم یہ ضروری سبق بھول ہی گیا تھا کہ ایک وعدے کا پورا کرنا بھی کسی سونے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

بقیہ: بلاعنوان

ارم گھر میں اکیلی تھی اور دُعا کر رہی تھی کہ اس کا بھائی ٹھیک ہو جائے۔ وہ مستقل دعا کر رہی تھی۔ اچانک اسے خیال آیا کہ فیس بک پر لکھ دیتی ہوں، میری دعا پر سب آمین لکھیں گے تو بھائی جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر اُ بھی اس نے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ امی اور بھائی واپس آ گئے۔ امی نے بتایا کہ ہلکی سی موچ آئی ہے، جلد ٹھیک ہو جائے گا۔

ارم نے اللہ تعالی شکر ادا کیا۔

''موبائل پر کیا کر رہی تھیں؟'' ارم کے ہاتھ میں موبائل دیکھ کر امی نے پوچھا تو وہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔

''وہ میں......''

''کیا ہوا، گھبرا کیوں رہی ہو؟'' امی نے بات کی نوعیت کا اندازہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ میں سوچ رہی تھی کہ فیس بک پر سب سے کہوں کہ میرے بھائی کے لیے سب دعا کریں کہ اسے زیادہ چوٹ نہ آئی ہو۔'' ارم نے کہا۔

''اچھا، پھر کیا جواب آیا؟'' امی نے پوچھا۔

''ابھی میں نے صرف سوچا تھا کہ آپ آ گئیں، لکھا نہیں تھا۔'' ارم نے بتایا۔

''تو تم اتنی دیر تک کیا کرتی رہیں، فوراً ہی کیوں نہیں میسج لکھا؟''

''اف امی! میں اتنی پریشان تھی، بس اللہ تعالی سے دعا مانگتی رہی، فیس بک کا تو خیال بھی نہیں آیا، پھر اچانک جیسے ہی خیال آیا آپ دونوں آ گئے۔''

''اچھا یہ بتاؤ، اگر تم لکھتی تو کیسے لکھتیں؟ ڈھیر سارے ایموجیز رونے والے، دعا والے ہاتھ، پلیز کے لیے ہاتھ جوڑنے والے ایموجیز؟''

''نہیں امی! یہ سب کہاں؟ میں تو شاید بس لکھ دیتی کہ سب دعا کریں، بل کہ پتا نہیں، یہ بھی لکھ پاتی یا نہیں، اتنی پریشان تھی کہ بس!''

''تو میری گڑیا! میں تمھیں یہی تو سمجھا رہی تھی کہ اگر انسان اتنا پریشان ہو تو صرف اللہ تعالی ہی سے مدد مانگتا ہے۔ جو لوگ اس طرح کے میسج لکھتے ہیں وہ یا تو صرف لائکس کے لیے ایسا کرتے ہیں یا فضول توجہ کے لیے۔ ناممکن ہے کہ ہم پریشانی میں ایسے پھول پتیوں اور شکلوں والے میسج کریں۔ تم بھی صرف اللہ تعالی سے مدد مانگتی رہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! مجھے آج یہ بات اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے۔''

ے امی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

ہمارا قومی پرندہ
چکور

رانا محمد شاہد۔ بورے والا

قدرت نے اس کرۂ ارض کی خوب صورتی اور دل کشی کے لیے بے شمار پرندے پیدا کیے ہیں، جن کی مسحور کن آوازیں ہمارا دل لُبھاتی ہیں۔ ماہرین حیوانات کے مطابق اس دنیا میں پرندوں کی ۹ ہزار سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ انھی میں سے ایک خوب صورت پرندے کا نام ''چکور'' ہے۔ اس پرندے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہمارا قومی پرندہ ہے۔

چکور کو ایک امن پسند پرندہ کہا جاتا ہے۔ اس کا اصل وطن برصغیر، اِیران اور اَفغانستان کے کچھ علاقے ہیں۔ ویسے خوب صورت چکور دنیا کے بہت سے ممالک میں پائے جاتے ہیں، جن میں نیوزی لینڈ، یونان، اٹلی، شمالی امریکا، فرانس اور اِسپین شامل ہیں، تاہم پاکستان، افغانستان، بھارت اور نیپال ہی اس کا اصل وطن ہے۔

ایک موٹی مرغی کی طرح نظر آنے والا یہ پرندہ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ ایک گروپ کی صورت میں خوراک کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ یہ پرندہ قد میں سیاہ تیتر کے پَر کے برابر ہوتا ہے۔ چونچ زرد رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ پاکستان کے علاقے کوہستان میں اکثر ملتا ہے، اس لیے اسے کوہستانی پرندہ بھی کہتے ہیں۔ چکور، بھٹ تیتر سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو اصلاً ریتلیے میدانوں میں پایا جاتا ہے۔

چکور کو انگریزی میں راک پیٹرج کہتے ہیں۔ سائنسی نام ''Alectoris Graceca'' ہے۔ اسے چکور کے علاوہ کئی دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے، جن میں کیک، کاؤ کاؤ، چکرو، چکار اور چکوری شامل ہیں۔ چکور کی ۲۷ سے زیادہ اقسام ہیں، جن میں سے ۵ اقسام زیادہ مشہور ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔ ۱۔ پہاڑی چکور۔ ۲۔ فلبی چکور۔ ۳۔ تبتی چکور۔ ۴۔ برفانی چکور۔ ۵۔ سرخ ٹانگوں والا چکور۔

پہاڑی چکور:

پہاڑی چکور کا چہرہ سفید ہوتا ہے اور اُس پر کالی لکیر ہوتی ہے، جو اُس کی خاص نشانی ہے۔ اس کے علاوہ پہاڑی چکور کے جسم پر گہرے بھورے رنگ کے بال ہوتے ہیں۔ یہ زیادہ تر مغربی ایشیا اور جنوب مشرقی یورپ میں پایا جاتا ہے۔

فلبی چکور:

چکور کی یہ قسم زیادہ تر سعودی عرب اور یمن کے جنوبی علاقوں میں ملتی ہے۔ فلبی چکور گہرے خاکی رنگ کا ہوتا ہے۔

تبتی چکور:

یہ تبت، نیپال، بھوٹان، مغربی چین اور پاکستان کے شمالی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ چکور کی یہ قسم زیادہ تر میدانوں اور ڈھلوانوں پر موجود کھیتوں میں پرورش پاتی ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ لکیر تبتی چکور کی خاص پہچان ہے۔

برفانی چکور:

یہ چکور ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں میں ملتا ہے۔ اس چکور کی چونچ سرخ اور پَر خاکی رنگ کے ہوتے ہیں۔ برفانی اور پہاڑی چکور میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ برفانی چکور شدید برف باری میں بھی زندہ رہتا ہے، جب کہ پہاڑی چکور شدید سرد موسم میں میدانی علاقوں کا رُخ کرتا ہے۔

سرخ ٹانگوں والا چکور:

اس چکور کی گردن کے گرد گہرے سیاہ رنگ کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ زیادہ تر میدانی علاقوں میں پایا جاتا ہے اور بہت کم پرواز کرتا ہے۔ سرخ ٹانگوں والا چکور زیادہ تر چلتا اور بھاگتا ہے۔ اسے ''فرانسیسی چکور'' بھی کہتے ہیں۔

چکور عقاب کے بعد دوسرا پرندہ ہے جو اونچے اور فلک بوس پہاڑوں پر رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ ۲۵۰۰ فٹ سے ۱۰۰۰۰ فٹ تک کی بلندی پر اپنا گھر بناتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ برف پوش پہاڑ، حسین وادیاں اور ہرے بھرے جنگلات اس کی پسندیدہ جگہیں ہیں۔

چکور کی من پسند خوراک میں مختلف پھل، گندم، جو، جوار کے دانے اور کیڑے مکوڑے شامل ہیں۔

مادہ چکور زیادہ تر فروری، مارچ اور اپریل کے مہینوں میں انڈے دیتی ہے۔ موسم بہار میں یہ ۷ سے ۱۴، انڈے دیتی ہے۔ یہ انڈے لمبوترے، زرد اور داغ دار ہوتے ہیں۔ ان انڈوں میں سے ۲۳ سے ۲۵ دنوں کے بعد بچے نکل آتے ہیں۔ یہ بچے صرف ایک ہفتے میں ماں کے ساتھ دانہ چگنے لگتے ہیں، جب کہ ۱۲ سے ۱۶ ہفتوں میں جوان ہوجاتے ہیں۔

پاکستان کا قومی پرندہ چکور فلک بوس پہاڑوں فاٹا کے دشوار گزار علاقوں اور کشمیر کے بنجر اور خشک پہاڑوں میں پرواز کرتا نظر آتا ہے۔ پرواز کے دوران میں یہ اکثر غول کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

چکور کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ پانی کی تلاش میں چار میل سے لمبی پرواز کرلیتا ہے۔ جہاں یہ پرندہ پانی کے لیے پہاڑوں یا اونچائی سے اترتا ہے وہیں شکاری جال بچھا لیتے ہیں، یہاں تک کہ اس امن پسند پرندے کو پکڑنے کے لیے پانی میں نشہ آور دوا بھی ملادی جاتی ہے، یعنی جہاں مختلف پرندے کوے، باز، شکرے، سنہری اور سرخ عقاب اس کے دشمن ہیں وہیں انسان بھی ظالمانہ طریقے سے اس کا شکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خوب صورت پرندہ معدومیت کے خطرے سے دوچار ہے۔

چکور قدرت کا ایک خوب صورت شاہ کار ہے۔ یورپی ممالک میں اسے نسل خیزی (بریڈنگ) کے عمل سے بھی گزارا جاتا ہے۔ جہاں امریکا کا سفید چکور پرواز میں اپنی مثال آپ ہے وہیں عمان اور مسقط میں واقع ''بلیک ہیڈ'' نایاب پرندوں میں سے ایک ہے۔

فارسی اور اُردو ادب میں اس پرندے کو چاند کا عاشق کہتے ہیں، کیوں کہ یہ چاند کی روشنی میں کُلیل کرتا ہے اور چاند کی طرف لپک لپک کر اُڑتا ہے۔ جب یہ بولتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہنس رہا ہے۔

ابو غازی محمد۔ کراچی

ذوق معلومات ٦١

یہ کُل پانچ اشارات ہیں۔ آپ ان کی مدد سے درست جواب تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ ان اشارات کے ذریعے جواب تک پہنچ جائیں تو بُوجھا گیا جواب آخری صفحے پر موجود کوپن کے ساتھ ہمیں ارسال کردیجیے اور اپنی معلومات کا انعام ہم سے پائیے۔ آپ کا جواب ۲۸، فروری تک ہمیں پہنچ جانا چاہیے۔

① یہ ملک جنوبی مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کی آبادی 191,700,000 نفوس پر مشتمل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے اسے دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس ملک میں 250 سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں۔

② یہ ملک تقریباً 1,300 چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے جو 1,904,345 مربع کلو میٹر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس ملک میں 27 صوبے ہیں۔

③ یہاں اسلام کی روشنی 1101ء میں مولانا برہان الدینؒ کے ذریعے پہنچی تھی، جو عراق سے ہجرت کرکے یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ آپ کی تبلیغ کی بدولت یہاں آباد بدھ مت اور ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اب یہاں آباد مسلمانوں کا تناسب 90 فی صد ہے اور سرکاری مذہب اسلام ہے۔

④ پاکستان کی طرح یہاں رائج کرنسی بھی ''روپیہ'' کہلاتی ہے۔

⑤ یہ ملک 17، اگست 1945ء کو ہالینڈ کے قبضے سے آزاد ہوا تھا۔ اسے ''آتش فشاؤں کا ملک'' بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ دنیا کے 455 آتش فشاؤں میں سے 167 آتش فشاں اسی ملک میں واقع ہیں۔

۳۔ سجاح بنت حارث

حافظ محمد دانش عارفین حیرت۔ لاہور

''میں ایک نبیہ ہوں، دنیا کی پہلی نبیہ!''

سجاح بنت حارث کو جب نبی ﷺ کی وفات کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا۔

نبی کریم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد دنیا میں ایک عجیب سی بھیڑ چال چل گئی تھی۔ ہر ایرا غیرا نتھو خیرا اُٹھ کر نبوت کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت کے دعوے کے بعد اگر قبیلے کے لوگ ساتھ دیتے تھے تو نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو ایک طرح سے بادشاہت مل جاتی تھی۔ قبیلے والے بھی قریش سے بغض وحسد کی بنا پر اپنے جھوٹے نبی کی نبوت کو تسلیم کر لیتے تھے۔ کچھ قبیلوں والے جھوٹے نبی کی جھوٹی نبوت کو صرف اس وجہ سے تسلیم کرتے تھے کہ انھیں بھی اپنے جھوٹے نبی کی وجہ سے دنیا کی جھوٹی شان و شوکت مل جائے گی، بالکل ویسے ہی جیسے قبیلہ قریش کو نبی ﷺ کی سچی اور آخری نبوت پر اِیمان لانے کی وجہ سے عزت ملی تھی۔

اب اس جھوٹی نبوت کی بھیڑ چال میں سجاح بنت حارث نامی عورت نے قدم رکھا تھا۔

سجاح بنت حارث کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا۔ یہ انتہائی حسین و جمیل عورت تھی، اس کا تعلق ایک عیسائی گھرانے سے تھا۔ یہ اپنے زمانے کی مشہور کاہنہ (پیش گوئی کرنے والی عورت) تھی۔ اس نے اپنے اس فن میں بہت ہی مہارت حاصل کر رکھی تھی۔ لوگ اس کے پاس آتے اور اپنے مسائل کا حل دریافت کرتے۔ یہ اپنے علم کی بدولت ان مسائل کا حل دریافت کر کے بتاتی اور اُن سے رقم وصول کرتی۔ مسائل کا حل بتاتے وقت یہ اپنی آواز میں ایک سحر طاری کر لیتی۔ اکثر اِس کی کہی ہوئی باتیں درست ثابت ہوجاتی تھیں۔ اس کا کام بالکل ایسا ہی تھا جیسے آج کل کے ڈھونگی بابا اور جعلی عاملوں کا ہے۔

ایک روز سجاح بنت حارث نے سنا کہ یمامہ کے مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اُس کی بدولت اسے بہت پذیرائی ملی ہے۔ مسیلمہ کا دعویٰ نبوت سن کر سجاح بنت حارث کو خیال آیا کہ جب مسیلمہ کذاب جیسا سو سالہ بدصورت بڈھا دعویٰ نبوت کر سکتا ہے تو پھر میں بھی یہ کام کر سکتی ہوں۔

جھوٹی نبوت کے دعوے کا خیال آتے ہی سجاح بنت حارث نے مسیلمہ کذاب کی طرح فوراً ہی دعویٰ نبوت نہیں کیا، بل کہ اس بارے میں سوچ بچار کرنے لگی، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گی۔ ویسے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آج تک کسی بھی عورت کو نبوت کے رتبے سے نہیں نوازا، اس لیے بھی سجاح کو سوچ بچار کرنے کی ضرورت تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد سجاح نے فیصلہ کیا کہ وہ دعویٰ نبوت کر دے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیا کہ لوگ اگر اُس سے اس کے جھوٹے دعویٰ نبوت کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ ان کو کیا کیا جواب دے گی اور کیسے لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت کا یقین دلائے گی۔

ابھی اس نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا کہ اسے آپ ﷺ کے وصال کی خبر ملی۔ یہ خبر سُن کر سجاح بنت حارث نے سوچا کہ اب تو اُس سے باز پُرس کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے اور میدان بالکل صاف ہے۔ اس کے باوجود اُس نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔

......☆......

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کون ہے؟"
سجاح نے مدینہ منورہ کے حالات سے باخبر رہنے والے ایک شخص سے پوچھا۔
"(حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ)۔" اس شخص نے جواب دیا۔
جواب سن کر سجاح خاموش ہوگئی اور مزید کوئی سوال نہیں کیا۔
اس کے بعد سجاح نے لوگوں کو پُراسرار باتیں سنانا شروع کر دیں۔ اس نے لوگوں سے یمامہ کے مسیلمہ کذاب کے الہامات حاصل کرنے شروع کیے۔ اس نے قرآنی آیات اور مسیلمہ کذاب کے جھوٹے الہامات کو گڈمڈ کر کے اپنی چند عبارات ترتیب دیں۔ اس نے جب اپنی یہ عبارات لوگوں کو سنائیں تو اُنھوں نے کہا:
"قرآنی آیات کے مقابلے میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔"
یعنی لوگوں نے اس کی عبارات کی تعریف تو کی، مگر ساتھ ہی سجاح کو یہ بھی بتا دیا کہ اس کی عبارات کا قرآنی آیات سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ قرآنی آیات اس کی عبارات سے بہت ہی بہتر ہیں۔
لوگوں کی باتیں سن کر بھی سجاح نے ہمت نہیں ہاری۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنی عبارات کو اِلہامی عبارات کہہ کر سُنانا شروع کر دیا۔
"تم لوگ میری الہامی عبارتوں کا خوب چرچا کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ میں ایک نبیہ ہوں۔" سجاح بنت حارث نے اپنے قریبی لوگوں کو حکم دیا۔
چوں کہ اس کے قریبی لوگ اس کی جھوٹی نبوت پر ایمان لا چکے تھے، لہٰذا اُنھوں نے سجاح کی جھوٹی عبارات کا بہت زیادہ چرچا کیا۔ اس طرح اس نے بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔
لیکن اپنے لیے پروپیگنڈا کروانے کے حوالے سے سجاح سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ سجاح نے اس کام کی ذمے داری اپنے قبیلے کے بڑے لوگوں کو دی تھی، اس لیے یہ صورتِ حال عام لوگوں کے لیے خوش گوار نہیں تھی، کیوں کہ عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ انبیا علیہم السلام اپنے دین کی تبلیغ کا آغاز غریب اور نادار قسم کے لوگوں سے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی مشہور تھی کہ نبی پر سب سے پہلے ایمان بھی غریب اور نادار لوگ ہی لاتے ہیں، مگر یہاں تو صورتِ حال یک سر مختلف تھی، کیوں کہ سجاح نے تو اِبتدا ہی اُمرا اور رُؤسا سے کی تھی۔

......☆......

"اے نبیہ! جب انبیا اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہیں تو سب سے پہلے غریب اور نادار لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے پہلے ان پر ایمان بھی غریب لوگ ہی لاتے ہیں، لیکن آپ کے سلسلے میں ایسا کیوں نہیں ہے؟" آخر کار ایک روز ایک شخص نے سجاح بنت حارث سے سوال کر ہی لیا۔
اس شخص کا سوال سُن کر ایک لمحے کے لیے تو سجاح کا دل زور سے دھڑکا، مگر چوں کہ وہ مکار عورت باتیں بنانے کا ہنر جانتی تھی، اس لیے اس نے اس شخص کو فوراً جواب دیا:
"اگر چہ تم لوگ سوچ رہے ہو کہ تمام نبی تو اپنے دین کا آغاز غریبوں سے کیا کرتے تھے، جب کہ میں نے یہ کام سرداروں اور اُمیر کبیر لوگوں سے شروع کیا ہے، مگر تمھاری یہ سوچ میرے لیے کسی اہمیت کی حامل بالکل نہیں ہے، کیوں کہ میں تو دنیا کی سب سے پہلی نبیہ ہوں۔ یہ سعادت بھی تو آج سے پہلے کسی عورت کو نصیب نہیں ہوئی۔ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تو پہلے ایک کاہنہ تھی۔ میری لاتعداد کرامات تم لوگ پہلے ہی دیکھ چکے ہو، مگر اَب میری طاقتوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے، کیوں کہ میں اب ایک نبیہ ہوں، دنیا کی پہلی نبیہ۔ یہ مجھے اللہ تعالیٰ نے انعام عطا فرمایا ہے۔"
دنیا میں تو بت پرستی ابتدا ہی سے رہی ہے، لہٰذا سجاح کے قبیلے کے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے علاوہ لوگ اس کے پاس اپنے مسائل لے کر آنے لگے۔ ان میں سے کچھ تو محض اس کا امتحان لینے کے لیے آتے تھے، جب کہ کچھ لوگ اندھے اعتقاد کی وجہ سے آتے تھے۔ جب وہ ایک کاہنہ تھی اس وقت بھی لوگ اس کے پاس آتے تھے، مگر اَب تو صورتِ حال یک سر مختلف تھی۔ اب اس کے پاس آنے والے لوگوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ اب ایک کاہنہ نہیں، بل کہ نبیہ تھی اور بقول اس کے اب اس کی روحانی طاقتوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔
سجاح ایک حسین و جمیل عورت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں خوش کلامی اور خوش اندامی بھی شامل تھی۔ وہ لوگوں کو اپنی باتوں سے بہت جلد متاثر کر لیا کرتی تھی۔ سننے والے اس کی باتیں سن کر مبہوت ہو جایا کرتے تھے۔
ایک مرتبہ سجاح کے پاس پریشان حال بوڑھی عورت آئی اور زار و قطار آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی:
"اے محترم نبیہ! میرے حال پر بھی رحم کھا۔ ایک عرصہ ہو گیا ہے، میرے دو بیٹے ملک فارس گئے تھے۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ اب وہ کس حال میں ہیں؟ مجھے تو یہ بتا دے کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں اور اگر زندہ ہیں تو کب تک واپس میرے پاس آجائیں گے؟"

سجاح کے لیے یہ بہت ہی معمولی کام تھا۔ ایسے کام تو وہ پہلے ہی بہت مہارت سے کیا کرتی تھی۔ اس نے اپنے علم کی طاقت سے عورت کو بتایا کہ اس کے بیٹے جلد ہی واپس آ جائیں گے۔ وہ عورت خوش ہو کر واپس چلی گئی۔

چوں کہ سجاح بنت حارث نے جھوٹے دعویٔ نبوت کی منصوبہ بندی بہت پہلے سے ہی کر رکھی تھی، اس لیے اس نے اچھی خاصی رقم بھی جمع کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ مسائل پوچھنے آنے والے بھی کبھی کبھار اُسے رقم دے جاتے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے پاس آنے والے لوگ بہت زیادہ ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنے چند قریبی ساتھیوں کا خرچ اٹھا کر اُنھیں معاشی فکر سے آزاد کر دیا۔ یہ لوگ اب دن رات سجاح کے گن گاتے رہتے۔ انھیں اس بات سے بھی کوئی غرض نہیں تھی کہ سجاح ایک جھوٹی نبیہ ہے۔ انھیں تو سجاح سے ملنے والی دولت سے سروکار تھا، اسی لیے وہ دن رات اس کی خدمت میں مصروف رہتے۔ اس کے پاس آنے جانے والے لوگوں کا خیال رکھتے اور اُنھیں اس کی جھوٹی نبوت پر یقین دلاتے۔

لوگوں کو اَچھی طرح اپنی طرف راغب کرنے کے بعد اُس نے اب مختلف قبائل کے سرداروں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا۔ ان سرداروں کے ساتھ ملنے سے اس کے پاس ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ اس لشکر کے ذریعے اس نے اپنے اردگرد کے قبائل پر حملہ کر کے کچھ قبائل پر قبضہ کر لیا اور کچھ قبائل سے جنگ کے بعد صلح ہو گئی۔

اب سجاح نے ارادہ کیا کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کر کے قبضہ کرے اور اُسے اپنی جھوٹی نبوت کا مرکز بنائے، مگر اُس کے قریبی سرداروں نے اس سے کہا:

''اہل یمامہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی ہے۔ (لہٰذا ہمیں ان پر حملہ کرنا چاہیے۔)''

اپنے قبیلے کے سرداروں کی بات سن کر سجاح نے الہامی انداز میں کہا:

''چلو، یمامہ چلو، اڑتے ہوئے کبوتر کی طرح۔ یہ لڑائی فیصلہ کن ہوگی، اس کے بعد تم پر کوئی ملامت نہیں رہے گی۔''

اس کے بعد سجاح نے مدینہ منورہ پر قبضے کا اِرادہ مؤخر کر دیا اور یمامہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

دوسری طرف جب مسیلمہ کذاب کو یہ خبر ملی کہ بنو تمیم کی نبیہ سجاح بنت حارث، یمامہ کی طرف حملے کی نیت سے بڑھی چلی آ رہی ہے تو وہ بہت گھبرایا، اس کے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر سجاح سے اس کا مقابلہ ہو گیا تو حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اسے بہت آسانی سے شکست دے دیں گے۔

(مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تھا)۔

یہی وجہ تھی کہ اب مسیلمہ کذاب بہت زیادہ گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے سجاح کو بہت سے تحائف بھجوائے اور اُس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ سجاح نے اس کی خواہش کا احترام کیا اور ملاقات کے لیے وقت طے کر لیا۔

طے شدہ وقت پر مسیلمہ اور سجاح کے درمیان ملاقات ہوئی۔ مسیلمہ کذاب نے خوشامد بھرے لہجے میں کہا:

''آدھی زمین ہماری اور آدھی زمین قریش کی ہوتی اگر برابر تقسیم کی جاتی، مگر اَب تو قریش کا حصہ بھی اللہ نے تمھیں دے دیا ہے۔ تم اسے خوشی سے قبول کر لو۔''

سجاح ایک مکار اور عیار عورت تھی، اس نے اس کی چاپلوسی کا کوئی اثر قبول نہیں کیا اور کہا:

''اے مسیلمہ! اس زمین کو تم ان سواروں میں تقسیم کر دو جو تمھارے سامنے موجود ہیں اور خون کے پیاسے ہیں۔''

مسیلمہ اس کی بات سن کر سمجھ گیا کہ سجاح جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہے، اس لیے اس نے چال بازی سے کام لیتے ہوئے کہا:

''اللہ نے جس کی بات چاہی سنی اور جس نے خیر طلب کی اللہ نے اسے خیر عطا کی اور اُس کی بات حسبِ مراد بڑھتی چلی گئی۔ تمھارے رب نے تمھیں دیکھا تم پر سلامتی بھیجی اور وحشت کو تم سے دور کر دیا۔ آخرت کے دن وہ تمھیں دوزخ کی آگ سے بچا کر حیات دوام عطا فرمائے گا۔ نیک لوگوں کی دعائیں ہمارے لیے ہیں، جو نہ بدنصیب ہیں اور نہ ہی بدکار ہیں، جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دِن کو روزے رکھتے ہیں، تمھارے بزرگ رب کے لیے جو مالک ہے بادلوں کا اور بارشوں کا۔''

سجاح اگرچہ ایک مکار اور عیار عورت تھی، لیکن اس کے باوجود وہ مسیلمہ کذاب کی بات سن کر کچھ نرم پڑ گئی۔

بہرحال، سجاح کے نرم پڑنے کے بعد اُن دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی، مگر کیوں کہ دونوں ہی چالاک تھے، اس لیے ان کے مذاکرات تین

دن تک چلے اور دونوں نبوت کے جھوٹے دعوے داروں نے صلح کر کے آپس میں نکاح کرلیا۔

نکاح کر کے تین دن بعد جب سجاح اپنے لشکر میں لوٹی تو اُس نے اپنے لوگوں کو بتایا:

''میں نبیہ ہوں اور مسیلمہ بھی نبی ہے، اس لیے ہم دونوں نے صلح کر کے شادی کر لی ہے، کیوں کہ نبیہ کو ایک نبی کی ضرورت تھی۔''

اس کے لشکر والوں نے پوچھا:

''اس نے تمھیں حق مہر کیا دیا؟''

''حق مہر؟'' سجاح نے دہرایا، پھر بولی: ''حق مہر تو کوئی نہیں دیا۔''

''کیا واقعی حق مہر نہیں دیا!؟''

''ہاں، اس نے مجھے حق مہر تو کچھ نہیں دیا۔''

''تم مسیلمہ کے پاس واپس جاؤ اور اُس سے اپنا مہر طلب کرو۔ تمھاری جیسی عورت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حق مہر کے بغیر ہی واپس آجائے۔'' لشکر والوں نے سجاح کو سمجھایا۔

''اچھی بات ہے۔ میں جاتی ہوں اور اُس سے اپنا حق مہر طلب کرتی ہوں۔''

سجاح اپنے لشکر والوں کی بات سن کر واپس پلٹی۔

دوسری طرف مسیلمہ کذاب اپنے قلعے میں بند ہو گیا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ کہیں سجاح کے امتی اس کے اور سجاح کے نکاح کی وجہ سے غصہ ہو کر اُس پر حملہ ہی نہ کر دیں۔

سجاح جب مسیلمہ کذاب کے پاس ملنے کے لیے پہنچی تو وہ بہت خوف زدہ تھا۔ خوف کے مارے وہ قلعے سے بھی باہر نہیں نکلا، بل کہ قلعے کی چھت سے ہی سجاح سے پوچھنے لگا:

''اب کیسے آنا ہوا؟''

شاید مسیلمہ کذاب یہ سوچ رہا تھا کہ سجاح کی فوج کہیں قریب ہی چھپی ہوئی نہ ہو، اگر اُس نے دروازہ کھولا تو فوج قلعے پر حملہ کر دے گی، اس لیے قلعے کے اندر سے ہی بات چیت کرنے لگا۔

''ہم نے نکاح تو کرلیا ہے، لیکن میرا حق مہر کیا ہے؟'' سجاح نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

''اپنے مؤذن سے منادی کروادو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے پانچ نمازیں انعام میں حاصل کر کے لائے تھے۔ اللہ نے فجر اور عشا کی دو نمازیں مومنین کو سجاح کے مہر میں معاف فرمادی ہیں۔'' مسیلمہ کذاب نے سجاح کو اُس کا حق مہر بتایا۔

سجاح یہ مہر سن کر واپس لوٹ آئی۔

سجاح نے مسیلمہ کی طرف سے ملنے والا مہر اپنے لشکر کے لوگوں کو سنایا تو وہ بہت دل برداشتہ ہوئے۔ ان میں سے کئی سجاح کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

سجاح اور مسیلمہ کے درمیان صلح اس بات پر ہوئی تھی کہ مسیلمہ کذاب اسے یمامہ کے ایک سال کے محاصل (حاصل ہونے والے لگان/ٹیکس) کا نصف دے گا، اس لیے دوسرے دن سجاح اس کے پاس گئی اور کہا:

''اس سال کی رقم تو مجھے ابھی چاہیے۔''

مسیلمہ کذاب نے یہ بات مان لی اور کہا:

''آدھی رقم تم ابھی لے جاؤ اور باقی کی رقم کے لیے اپنا کوئی بااعتماد ساتھی یہاں چھوڑ جاؤ۔''

سجاح آدھی رقم لے کر وہاں سے واپس آگئی اور مسیلمہ کذاب کے پاس اپنے ایک آدمی کو چھوڑ کر لشکر لے کر واپس آگئی۔

سجاح ابھی باقی رقم کا انتظار کر رہی تھی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس علاقے پر حملہ کر دیا۔ سجاح سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے ننھیال قبیلہ بنی تغلب میں چلی گئی اور خاموشی سے اپنی زندگی بسر کرنے لگی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک سال بنی تغلب میں سخت قحط پڑا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی تغلب والوں کو بصرہ منتقل کروایا۔ اپنے لوگوں کے ساتھ سجاح بنت حارث بھی بصرہ آکر آباد ہوگئی۔ بصرہ میں سجاح اور اُس کی ساری قوم نے اسلام قبول کرلیا، پھر اُس نے بڑی پرہیزگاری اور دین داری کی زندگی گزاری اور اسی حالت میں اس کی وفات ہوئی۔ بصرہ کے حاکم اور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے سجاح بنت حارث رحمۃ اللہ علیہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(ماخذ:
جھوٹے نبیوں کا انجام، از سید ارتضیٰ علی کرمانی،
بائیس جھوٹے نبی، از نثار احمد خان فتحی،
جھوٹے نبی، از ابوالقاسم رفیق دلاوری)

......(جاری ہے)......

چوزہ

عشرت زاہد۔کراچی

چھوٹا سا اک چوزہ تھا
اپنے گھر میں رہتا تھا

دانا دنکا چگتا تھا
دن بھر پھرتا رہتا تھا

مرغی اس کی امی تھی
اس سے وہ یوں کہتی تھی

گھر سے باہر نا جانا
خطرہ اس میں انجانا

چوزے نے کی نادانی
ماں کی باتیں نا مانی

یوں دانہ چگتے چگتے
نکلا باہر چپکے سے

باہر آکر سہما سا
اک جانب وہ دبکا تھا

تیزی سے گزری موٹر
چوزہ گھوما پھر ڈر کر

پیچھے سے کتا بھونکا
اف ننھا سا دل دھڑکا

بلی بھی اس پر جھپٹی
اب ہوگئی حالت پتلی

واپس بھاگا ، گھر لوٹا
اپنی امی سے لپٹا

امی نے پھر سمجھایا
چوما ، اس کو لپٹایا

اب نا باہر جانا تم
مانو ماں کا کہنا تم

باہر اب نا جھانکوں گا
ماں کا کہنا مانوں گا

میں اک اچھا چوزہ ہوں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں

اعترافِ جرم

(درختوں سے)

محمد شہروز اسلم۔ دیپال پور

آغازِ زندگی ہی سے میں نے زمین پر بہت ہل چل مچائی۔ اے درخت! تیرے سلسلے میں خدا کے حضور معافی کا طلب گار ہوں۔ گڑگڑا کر اِنتہائی عاجزی سے خدا سے معافی مانگتا ہوں۔ میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں کہ تُو مجھ سے خفا ہے۔ تیری ناراضی جائز بھی ہے، لیکن اب اس خطا کار بندے نے شرمندگی کی بدولت بہت مشکل سے جسارت کی ہے کہ تجھ سے دل کی بات کہہ کر اَپنا بوجھ ہلکا کر سکے۔

میں نے بغیر کسی سوچ وفکر کے جنگلات کا بے دریغ قتل عام کیا۔ تجھے نقصان پہنچانے کے لیے تمام حربے استعمال کر ڈالے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرندوں، حشرات الارض اور جانوروں کے آشیانے تباہ ہوگئے۔ ان میں سے بعض کی نسلیں تک ختم ہوگئیں۔ میں اپنے ذاتی مفاد میں یہ تک بھول گیا کہ تجھ سے تو میں زرعی اجناس، طرح طرح کے میوے اور پھل حاصل کرتا ہوں۔ زندگی میں کبھی کسی بیماری کا سامنا ہو تو تب بھی تیرے ہی اجزا سے تو میری دوا بنتی ہے۔

میں بھی کتنا احسان فراموش نکلا کہ یہ بھی بھلا دیا کہ میری زندگی کا دارومدار ہی تجھ پر ہے۔ سانسوں کی ڈور کو برقرار رکھنے کے لیے آکسیجن کی جو ضرورت ہے اُس کا بنیادی ذریعہ درخت ہی تو ہیں۔ دنیا کا معتدل درجہ حرارت بھی تیرا اِحسان ہے۔ تیری لکڑی کو آگ جلانے اور بطورِ ہتھیار بھی استعمال کیا، لیکن میں اتنا خود غرض نکلا کہ تیری لکڑی سے اپنا دفاع تو کرتا رہا، مگر تیرا دِفاع نہ کیا۔

دورِ حاضر میں جب درجہ حرارت آئے روز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، گلیشیئر تیزی سے پگھل رہے ہیں، جس سے سمندر کی سطح بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے اور بلند ہوتی یہ سطحِ سمندر، شہروں کے ڈوبنے کی وجہ بن رہی ہے۔ بیماریوں کی بہتات ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی کی بدولت سانس تک لینے میں دشواری ہو رہی ہے۔ جنگلات کی کمی کی وجہ سے سیلابوں کی صورت میں عملِ کٹاؤ میں اضافہ ہوا ہے، جو کہ زمین کے بنجر ہونے کا سبب ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرف تجھے نقصان پہنچانے کی تباہ کاریاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

آخر کار درختوں کے کٹاؤ کے بھیانک اثرات نے میری آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی ہے، میرے ضمیر تک کو جگا دیا ہے اور مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ میں نے گلشن کو ہی اجاڑ دیا ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے کہ میں نے تجھے بے دریغ کاٹ کر کتنا بڑا نقصان کر دیا ہے۔ اب مجھے ندامت ہو رہی ہے کہ اب سالوں لگ جائیں گے، مگر پھر بھی یہ خلا مکمل پُر نہ ہو سکے گا۔

لہٰذا میں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تجھے نقصان نہیں پہنچاؤں گا، بل کہ تیری حفاظت کو اپنا شعار بناؤں گا۔ ؎

ہرے درخت نہ کاٹو سلگتی راہوں سے
مسافروں کے لیے اِک سائبان رہنے دو

سوال آدھا جواب آدھا ۱۷

الطاف حسین۔کراچی

اس کھیل میں چند جملے ہیں، ہر جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں کچھ معلومات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں اسی طرح کی معلومات آپ سے پوچھی گئی ہیں۔آپ مطلوبہ معلومات ہمیں ۲۸،فروری تک ارسال کردیجیے، ہم آپ کو اِس کا انعام روانہ کردیں گے۔ایک سے زیادہ درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے تین قارئین کرام کو انعام سے نوازا جائے گا۔کوپن پُر کرکے ساتھ بھیجنا نہ بھولیے گا۔

۱ قرآن مجید کی ''سورۂ مریم'' میں 4 (چار) مرتبہ ''وقف لازم'' آتا ہے...... بتایئے ''سورۂ مائدہ'' میں کتنی مرتبہ ''وقف لازم'' آتا ہے؟

۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے...... آپ یہ بتایئے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کا آپس میں کیا رشتہ تھا؟

۳ مسجد نبوی کے جس ستون کے قریب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف فرمایا کرتے تھے اس کا نام ''ستونِ سریر'' ہے...... بتایئے ''ستون توبہ'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۴ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت میں ملت اسلامیہ 22,51,030 (بائیس لاکھ، اکیاون ہزار، تیس) مربع میل رقبے میں پھیلی ہوئی تھی...... بتایئے فاتح سومناتھ سلطان محمود غزنوی نے کتنے مربع میل کا علاقہ فتح کرکے سلطنت غزنی میں شامل کیا تھا؟

۵ مشہورِ زمانہ نظم ''شکوہ'' کے شاعر علامہ محمد اِقبالؒ ہیں...... بتایئے ''جواب شکوہ'' کس شاعر کی مشہور نظم ہے؟

۶ اردن کے دارالحکومت کا نام ''عمان'' ہے...... بتایئے ''انقرہ'' کس اسلامی ملک کا دارالحکومت ہے؟

۷ شمالی کوریا میں صوبوں کی تعداد 13 ہے...... بتایئے جنوبی کوریا کتنے صوبوں پر مشتمل ہے؟

۸ ''آرمی میڈیکل کالج'' راول پنڈی میں واقع ہے...... آپ یہ بتایئے کہ ''فاطمہ جناح میڈیکل کالج'' پاکستان کے کس شہر میں واقع ہے؟

۹ زمین کا سورج سے درمیانی فاصلہ 9 کروڑ 30 لاکھ میل ہے...... بتایئے سیارہ مریخ، سورج سے کتنے میل دور ہے؟

۱۰ ''آنکھوں آنکھوں میں چُرا لینا'' اردو زُبان کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے: ''کسی چیز کو فوراً جھپٹ لینا''...... بتایئے ''آنکھوں آنکھوں میں سحر ہو جانا'' کا کیا مطلب ہے؟

بیٹی

ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی۔ ہندوستان

ماریہ آپی کی شادی تھی۔ برقی قمقمے سے شادی خانہ سجا ہوا تھا۔ اسٹیج غباروں سے سجایا گیا تھا، جسے دیکھ کر بچوں کا جی للچا رہا تھا۔ وہ غباروں کو للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اگر اُن کا بس چلتا اور بڑے اس کی اجازت دیتے تو وہ غبارے نوچ کر اُن سے کھیلنا شروع کر دیتے، لیکن اس کا موقع انھیں نہیں مل سکا۔

بارات آنے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ مغرب سے عشا کا وقت ہو گیا، بچوں کی بے زاری دیکھ کر موجود مہمانوں میں بطورِ ''ری فریش منٹ'' کچھ پیکٹ تقسیم کیے گئے۔ بچے بڑے سب کے ہاتھوں میں ایک ایک پیکٹ تھما دیا گیا۔ بچوں نے خوشی خوشی ان سے انصاف کیا اور پھر اُنھی پیکٹوں سے کھیلنے لگے۔ جب کھیلتے کھیلتے تھک گئے تو اُنھیں نیند آنے لگی۔ اب بھی بارات آنے کا نام نہیں تھا، لہٰذا بچوں کے ساتھ بڑوں کو بھی کھانا کھانے کے لیے بھیج دیا گیا۔

جب سب کھانا کھا چکے تو بارات دھیرے دھیرے الگ الگ گاڑیوں میں شادی خانہ پہنچی۔ دولھے میاں کی گاڑی مزید آدھا گھنٹا تاخیر سے پہنچی۔ باراتیوں کو ٹھنڈا شربت پلانے کے بعد نکاح خوانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مہمانوں کو کھانا کھلاتے اور سونے کا انتظام کرتے کرتے رات کے دو بج گئے۔

ابو سارا اِنتظام کر کے تھک چکے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ اب ان کا کوئی کام باقی نہیں ہے تو وہ بھی سونے کے لیے شادی خانے کے مردانہ حصے میں چلے گئے۔ تمام مہمانوں نے گدّے، تکیے اور چادروں پر قبضہ جما لیا تھا، ابّو کو کوئی تکیہ اور چادر نہیں مل سکی، ابّو بغیر تکیے اور چادر کے سو گئے، لیکن بغیر تکیے اور چادر کے اُنھیں نیند نہیں آ رہی تھی۔

اچانک چھوٹی فاکہہ کو اپنے ابّو کا خیال آیا۔ وہ نیچے مردانے میں آئی، ڈھونڈتے ہوئے ابو کے پاس پہنچی۔ ابّو کو دیکھ کر اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا:

''ہائے اللہ! ابو بغیر تکیے اور چادر کے سو رہے ہیں۔'' جھٹ اوپر جا کر تکیہ اور چادر لے کر آئی۔ ابو کو چوں کہ نیند نہیں آئی تھی، اس لیے انھوں نے فاکہہ کی آواز سن لی۔ فاکہہ نے ابو کو چادر اُوڑھائی اور سر کے نیچے تکیہ رکھا، تب کہیں جا کر ابو کو نیند آئی۔

ابو کے دل میں فاکہہ کی بڑی قدر ہوئی کہ آٹھ سالہ چھوٹی بیٹی نے شادی کی بھیڑ اور گہما گہمی میں بھی اپنے ابو کو یاد رکھا اور اُن کے آرام کے لیے تکیے اور چادر کا انتظام کیا۔

واقعی بیٹیاں رحمت ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کی اچھی پرورش اور تعلیم و تربیت کرنے پر جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔

(الجامع للترمذی، باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات)

مکڑی کا جال

عالیہ ذوالقرنین۔ لاہور

''حارث! اپنی کاپی لائیے اور کام دکھائیے۔ حارث! حارث!'' سر جاوید کے تیسری بار آواز دینے کے باوجود متوجہ نہ ہونے پر ساتھ بیٹھے ارسلان نے اس کا کندھا ہلایا۔

''جج...... جی...... کیا ہوا؟'' حارث نے بوکھلا کر کہا۔

''کچھ نہیں ہوا، سر نے تمھیں تین مرتبہ آواز دی اور تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔'' ارسلان نے ناگواری سے کندھا ہلانے کی وجہ بیان کی۔

''جی سر! سوری، میں آپ کی آواز سن نہیں پایا۔'' حارث نے سر جھکاتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! ایسا کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔ آپ وقفے میں اسٹاف روم میں میرے پاس آئیں۔'' سر جاوید نے اس کی شرمندگی کم کرتے ہوئے کہا اور تختہ سیاہ پر سوال سمجھانے لگے۔

حارث آٹھویں جماعت میں درمیانے درجے کا طالب علم تھا۔ ذہین ہونے کے باوجود اُس کی کبھی جماعت میں کوئی پوزیشن نہیں آئی تھی، اس بات پر سر جاوید کو حیرانی تھی۔ آج اسے جماعت میں ذہنی طور پر غیر حاضر دیکھ کر سر جاوید نے اس سے بات کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت جانا اور اُسے اسٹاف روم میں بلا لیا، اَب وہ اسٹاف روم کے باہر موجود تھا۔

''حارث! اندر آجایئے۔'' سر جاوید نے اسے دروازے پر کھڑے دیکھ کر آواز دی۔

''جی سر!'' حارث نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اس کا دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا اس کے ذہنی اضطراب کی نشان دہی کر رہا تھا۔

''بیٹھو بیٹا!'' سر جاوید نے حارث کو کرسی پر بیٹھنے کا اِشارہ کیا اور خود بھی سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''دیکھیں حارث! والدین اور اُستاد دُنیا میں دو ایسے رشتے ہیں جو اپنے بچوں اور شاگردوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور زندگی میں کسی مقام پر اُن کا رُک جانا اُنھیں تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آپ ایک اچھے اور ذہین طالب علم ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کی کام یابی کا وہ معیار نہیں جو ہونا چاہیے، اور ایک بات یاد رکھیں کہ مسئلے حل کرنے سے سلجھتے ہیں، پریشان ہونے سے نہیں۔ آپ مجھے اپنا مسئلہ بتائیں، تاکہ ہم مل کر اُس کا حل نکالیں۔

''سر! وہ...... وہ......'' حارث اٹک اٹک کر بولتے ہوئے پھر خاموش

ہو گیا۔

''ہاں، ہاں! کہیے بیٹا! سر جاوید نے پیار سے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''سر! اصل میں ندیم کے بابا نے اسے نیا موبائل دلوایا ہے اور میری کم زوری یہ ہے کہ میں جب کسی کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھتا ہوں تو میرا بہت دل چاہتا ہے کہ وہ چیز میرے پاس بھی ہو۔'' حارث نے آہستگی سے کہا۔

''ہوں...... تو یہ بات ہے! بیٹا پہلے تو صرف ایک بات سمجھ لیں کہ اللہ کریم نے ہر چیز ہر انسان کو نہیں دی، اس کی تقسیم کا اَنداز مختلف ہے۔ وہ ہمارا خالق ہے اور ہم سے بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لیے کیا چیز بہتر ہے اور کس وقت بہتر ہے، لیکن اس نے انسان سے کوشش کروانے کے لیے اس کے اندر خواہشات رکھ دیں، تاکہ وہ ان کی طلب میں آگے بڑھے اور جدوجہد کرے۔''

لیکن سر! مجھے تو خواہشات پریشان کرتی ہیں، ایسا کیوں ہے؟'' حارث نے بے بسی سے کہا۔

''خواہشات کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے اور اُن کے پیچھے پریشان ہونا انسانی کم زوری، چناں چہ جب بھی کسی چیز کی خواہش آپ کے دل میں پیدا ہو تو آپ یہ سوچیں کہ یہ چیز آپ کی دنیا کے لیے بہتر ہے یا آخرت کے لیے۔ اگر آخرت کے لیے بہتر ہو تو اُس کے لیے کوشش کریں، کیوں کہ اس کا پھل ضرور ملے گا اور اگر دنیا کے لیے ہے تو سوچیں کہ یہ میری ضرورت کے لیے ہے یا سہولت کے لیے؟ اگر ضرورت کے لیے ہے تو اُسے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اگر سہولت کے لیے ہے تو اُسے نظر اَنداز کر دیں، اس طرح آپ کبھی پریشان نہیں ہوں گے۔'' سر جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سر! تو کیا دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنا گناہ ہے؟'' حارث نے ایک اور سوال کیا۔

''نہیں بیٹا! گناہ نہیں ہے، اس کے لیے تو ہمارے پیارے رب نے ہمیں خود دُعا بتائی ہے:

'اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہر طرح کی خیر عطا فرما اور آخرت میں بھی ہر طرح کی خیر عطا فرما اور قبر کے عذاب سے بچا۔'

مگر ہم الحمدللہ! مسلمان ہیں اور ہمارے لیے اللہ رب العزت نے خواہشات کا معیار آخرت کی فکر رکھا ہے، اسی کی طرف توجہ دلائی ہے اور اُسی کا شوق دلایا ہے۔ اچھا کیا کبھی آپ نے پریڈ میں طیاروں کو رَنگا رنگ دھواں چھوڑتے ہوئے اڑتے دیکھا ہے؟'' سر جاوید نے حارث کی طرف دیکھا اور اُس کا سر اِثبات میں ہلتا دیکھ کر اپنی بات دوبارہ شروع کی:

''خواہشات بھی طیاروں سے نکلتے رنگ دار دھوئیں کی مانند ہوتی ہیں، جن کے پیچھے انسان ساری زندگی چھوٹے بچے کی طرح بھاگتا ہے، مگر کچھ ہی دیر بعد نہ طیارے ہوتے ہیں نہ رنگ دار دھواں۔ یہ رنگین دنیاوی خواہشات تارِ عنکبوت، یعنی مکڑی کے جالے کی طرح اسے اپنی ظاہری خوب صورتی میں جکڑ لیتی ہیں اور وہ ساری زندگی ان سے نکل ہی نہیں پاتا۔ اِسی کیفیت کو جاننے والا ہمارا رَب قرآن مجید میں اس طرح بیان کرتا ہے: انسان کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے کچھ بھیجا ہوتا۔''

سر جاوید نے ایک گہرا سانس لے کر حارث کی طرف دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے نظر آئے۔

''سر! افسوس میں نے اپنا بہت سا قیمتی وقت فضول دنیاوی خواہشات کے حصول کی چاہت میں ضائع کر دیا!''

''ہاں بیٹا! مگر اَبھی کچھ نہیں بگڑا، آپ اس کے لیے اللہ کریم سے توبہ کریں، کیوں کہ ہمیں اپنے گزارے جانے والے وقت کا بھی آخرت میں حساب دینا ہے، آئندہ کے لیے اس سے خود کو بچائیں اور اُن چیزوں کی خواہش کریں جن کا اللہ رب العزت نے ہمیں خود شوق دلایا ہے، اور ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے آپ کا فی الحال اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز کرنا آپ کے وقت کا بہترین استعمال ہے۔''

''سر! آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے گمراہ کن رنگین خواہشات کے پیچھے بھاگنے سے بچا لیا! ان شاء اللہ تعالیٰ اس سال میں جماعت میں اول آؤں گا۔'' حارث نے جوش سے کہا۔

''ان شاء اللہ! چلیں اب جماعت میں چلیں، وقفہ ختم ہونے والا ہے۔'' سر جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا اور حارث کو ساتھ لیے اسٹاف روم سے باہر نکل آئے۔

خیالی پلاؤ

ڈاکٹر الماس روحی۔ کراچی

دفتر کا بابو صبح سویرے اٹھتا ہے، فجر کی نماز پڑھ کر ناشتا کرتا ہے، پھر سڑک ناپتا ہوا دفتر پہنچ جاتا ہے۔ وہ وقت کا پابند ہے۔ ہر کام ذمے داری سے کرتا ہے، لیکن کم تنخواہ پانے کی وجہ سے بے چارہ اکثر پریشان رہتا ہے۔ وہ امیر بننے کے لیے خیالی پلاؤ پکاتا رہتا ہے۔ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھتا ہے۔ قیمتی کپڑے، مہنگی گاڑی، بڑا سا گھر اُس کا اپنا ہو، یہی خیالی پلاؤ پکاتا رہتا ہے۔

وہ اخبار میں چھپے معمے حل کرتا ہے اور سوچتا ہے: ''اس دفعہ معمہ حل کر کے وہ ضرور اَمیر کبیر آدمی بن جائے گا۔''

پورا مہینا خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے آرام سے گزر جاتا ہے، لیکن وہ جب انعام نہیں پاتا تو اُسے اپنے دفتر کا کمرا بہت بُرا لگتا ہے۔ بھلا دن رات فائلوں پر سَر جھکا کر قلم چلانا بھی کوئی زندگی ہے؟ پریشانی کی وجہ سے غلط کام کرنے پر اُسے اپنے افسر کی گُھرکیاں بھی سننی پڑتی ہیں۔ آخر وہ بھی اپنا غصہ غریب چپڑاسی پر نکالتا ہے۔

یوں اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ ادھر چپڑاسی گھر جا کر اپنی بیوی کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے اور دوسرے روز چپڑاسی دفتر کے بابو سے ناراض رہتا ہے۔

کم تنخواہ میں زیادہ کام کرنے سے چڑچڑی طبیعت کا مالک دفتر کا بابو اپنے پھٹے جوتے پر نظر ڈالتے ہی چپڑاسی پر جھنجھلایا۔ آخر چپڑاسی چڑ گیا اور بولا:

''صاحب! آپ ضرورت سے زیادہ غصہ کرتے ہیں۔ میں بھی گھر جا کر اپنی بیوی سے لڑتا ہوں۔''

بابو نے حیرت سے پوچھا:

''تم ایسا کیوں کرتے ہو؟''

''ظاہر ہے، مجھے بھی غصہ آتا ہے۔ ہم سب کم زور پر غصہ اتارتے ہیں۔''

بابو شرمندہ ہوا۔ چپڑاسی بولا:

''صاحب! آپ دولت چاہتے ہیں، اس لیے اخبار کے انعامات پانا چاہتے ہیں، لیکن دولت تو قسمت سے ملتی ہے۔ جس دن آپ نے اللہ کا شکر اَدا کرنا سیکھ لیا دولت مند ہو جائیں گے۔''

چپڑاسی کی بات دفتر کے بابو کے دل پر لگی۔ اسی روز اُس نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ''اللہ اسے رزق دیتا ہے''، پھر اُس نے برکت کی دعا کی۔

اب دفتر کا بابو خوشی خوشی دفتر جاتا ہے اور چپڑاسی کا حال چال پوچھ کر اچھی سی چائے نہ صرف خود پیتا ہے، بل کہ چپڑاسی کو بھی پلاتا ہے۔

فرض شناسی اور بہترین طریقے سے ذمے داریاں ادا کرنے پر حکومت نے سرکاری ملازموں کی تنخواہ بڑھا دی ہے۔ اب دفتر کا بابو بہت خوش ہے۔

مشکل الفاظ:

خیالی پلاؤ پکانا: ناممکن بات سوچنا۔
سڑک ناپنا: سڑک پر چلنا۔
گُھرکیاں: غصہ کرنا۔
فرض شناسی: ذمے داریاں سمجھنا۔

شکر پارے

قارئین

☆ایک طالب علم (دوسرے طالب علم):
''بھئی، امتحان کب ہے؟''
دوسرا طالب علم: دو ہفتے بعد۔''
پہلا: ''کوئی تیاری بھی کی ہے؟''
دوسرا: ''ہاں، ایک نیا قلم خریدا ہے۔ نئے کپڑے سلوائے ہیں، نیا جوتا اور نئی گھڑی خریدی ہے۔

☆ایک پاگل: ''اگر دریا میں آگ لگ جائے تو مچھلیاں کہاں جائیں گی؟''
دوسرا پاگل'': درختوں پر چڑھ جائیں گے۔''
تیسرا: ارے پاگل! وہ کیا گائے بھینسیں ہیں جو درختوں پر چڑھ جائیں گی۔''

☆ایک پاگل خانے میں سب پاگلوں کو ایک نیا دورہ پڑا۔ سب کے سب ہاتھ آگے پھیلائے ہوئے، جیسے موٹر سائیکل چلا رہے ہوں اور منہ سے ''ہینگ ہینگ'' کی آوازیں نکالتے ہوئے پاگل خانے میں بھاگ رہے تھے۔ ڈاکٹر بہت پریشان تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟
ایک پاگل خاموشی سے بیٹھا ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اس پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ وہ کچھ ٹھیک سا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر نے اس کا الگ چیک اَپ شروع کیا تو پتا چلا وہ کافی ٹھیک ہو چکا ہے۔
ڈاکٹر: ''میرا خیال ہے اب تمھیں گھر چلے جانا چاہیے، تاکہ تم گھر کے ماحول میں رہ کر بالکل ٹھیک ہو جاؤ۔ اچھا، یہ بتاؤ، تمھارا گھر کہاں ہے؟''
پاگل: ''ڈاکٹر صاحب! میرا گھر تو یہاں سے ہزاروں میل دور ہے؟''
ڈاکٹر: ''اوہو، تو تم وہاں جاؤ گے کس طرح؟''
پاگل کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلاتے ہوئے: ''ہینگ ہینگ، ہینگ ہینگ۔''
(نعمان اعوان۔ کراچی)

☆بڑی بہن (چھوٹے بھائی سے): ''کہاں جا رہے ہو؟''
چھوٹا بھائی (غصے سے): ''مرنے جا رہا ہوں۔''
بڑی بہن: ''ساتھ میں تھیلا لے کر جانا۔''
چھوٹا بھائی (تعجب سے): ''وہ کس لیے؟''
بڑی بہن: ''اگر ارادہ بدل جائے تو آتے ہوئے دو کلو آلو اور ایک کلو پیاز لے آنا۔''
(محمد شایان شیخ۔ حیدر آباد)

☆ شادی میں کھانے کے وقت ایک آدمی کو کوئی پلیٹ نہیں ملی۔
وہ آدمی اپنی جھولی میں کھانا ڈالنے لگا تو لوگوں نے پوچھا: ''یہ کیا!؟''
آدمی: ''داغ تو چلا جائے گا، یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔''
(نور العین۔ حیدر آباد)

☆ ریاضی میں کم زور دو (۲) دوست انٹرویو کے لیے تیار بیٹھے تھے۔
پہلے کا نمبر آیا تو وہ اندر داخل ہوا۔
افسر: ''آپ ریل میں سفر کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں آپ کو گرمی لگنے لگے تو آپ کیا کریں گے؟''
امیدوار: ''میں کھڑکی کھول دوں گا۔''
افسر: ''بہت خوب! اب بتائیں کہ اگر وہ کھڑکی ۱ء۵ اسکوائر میٹر ہے اور ڈبے کا رقبہ ۹۰×۱۲ فٹ ہے اور ٹرین ۸۰ کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے جنوب کی طرف جا رہی ہے اور ہوا جنوب سے ۵ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ڈبے میں داخل ہو رہی ہے تو پورا ڈبا ٹھنڈا ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟''
امیدوار نے خاصی کوشش کی، مگر جواب نہ دے سکا اور وہ فیل ہو گیا۔
باہر آ کر اُس نے وہ سوال اپنے دوست کو بتایا۔
اب اس دوست کی باری آئی۔
افسر: ''آپ ریل میں سفر کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں آپ کو گرمی لگنے لگے تو آپ کیا کریں گے؟''
امیدوار: ''میں اپنا کوٹ اُتار دُوں گا۔''
افسر: ''پھر بھی گرمی لگے تو؟''
امیدوار: ''میں اپنی شرٹ اُتار دوں گا۔''
افسر: (چڑ کر): ''پھر بھی گرمی لگے تو؟''
امیدوار: ''میں اپنا بنیان بھی اُتار دوں گا۔''
افسر: (غصے میں): ''اگر پھر بھی گرمی لگے تو؟''
امیدوار: ''میں گرمی برداشت کر لوں گا، پر کچھ بھی ہو جائے، میں کھڑکی نہیں کھولوں گا۔''
(فیض الہادی۔ نوشہرہ)

ایک سیر ایک سبق

تماضر ساجد۔ صادق آباد

''ٹینا! سب سامان پیک ہو گیا ہے؟'' مما نے ٹینا سے پوچھا۔

''جی مما!'' ٹینا پَر ہلاتے ہوئے بولی۔

''ٹیں ٹیں اور ٹینو! آؤ، سامان اٹھاؤ۔''

مما نے ٹینا کے بھائیوں کو آواز دی۔ دونوں بھائیوں نے سامان سنبھال لیا اور گھونسلے سے باہر نکلے۔ ان کے بابا نے گھونسلے کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور سب اپنی منزل کی طرف اڑنے لگے۔

میاں مٹھو، آج باغ کی سیر کو جا رہے ہیں۔ تینوں بچے بے حد خوش ہیں، کیوں کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی باغ نہیں دیکھا۔ ان کے بابا بتاتے ہیں کہ ان کے دادا کے زمانے میں اس علاقے میں بہت باغات ہوتے تھے، مگر رفتہ رفتہ پانی کی کمی اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے باغات ختم ہو گئے۔ اب اس علاقے میں ایک ہی باغ بچا ہے۔ اس باغ میں پرندے آتے ہیں، پکنک مناتے ہیں اور واپس اپنے گھونسلوں میں چلے جاتے ہیں۔ باغ میں بھی بہت سے پرندے رہتے ہیں، مگر ٹینا کے کوئی رشتے دار وہاں نہیں ہیں۔ چوں کہ باغ جانے کا راستہ صرف بابا کو معلوم ہے، اس لیے وہ سب سے آگے ہیں۔ ان کے پیچھے ٹینا کا بڑا بھائی ٹیں ٹیں، پھر ٹینو، اس کے پیچھے ٹینا اور سب سے پیچھے مما ہیں۔

تھوڑی دیر میں باغ کا مرکزی دروازہ نظر آنے لگا۔ میاں مٹھو نے سب سے پہلے مرکزی دروازے پر موجود چڑیوں سے باغ میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، پھر سب باغ میں داخل ہو گئے۔

ایک درخت پر اُنھوں نے اپنا سامان رکھا۔ میاں مٹھو نے تینوں بچوں کو باغ میں گھومنے کی اجازت دے دی۔ تینوں کے مزے ہی ہو گئے۔ ٹینا باغ کی خوب صورتی دیکھ کر بہت متاثر ہوئی۔ وہ جس درخت پر رہتی ہے اس کے ارد گرد دُور دُور تک کوئی اور درخت نہیں ہے، جب کہ یہاں باغ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بہت سے درخت لگے ہوئے ہیں، کینو، امرود، آم، جامن وغیرہ۔

کیاریوں میں گلاب، چنبیلی، رات کی رانی وغیرہ جیسے خوب صورت پھول اپنی شان دکھا رہے ہیں۔ آم اور جامن کا تو موسم نہیں ہے، مگر کینو اور اَمرودوں سے درخت بھرے ہوئے ہیں۔ نارنجی رنگ کے کینو درختوں پر لگے یوں دکھائی دے رہے ہیں جیسے کسی نے نارنجی گیندیں لٹکا رکھی ہوں، مگر اُن تینوں بہن بھائیوں کو اَمرود پسند ہیں۔

ان تینوں نے امرودوں پر ہلا بول دیا۔ ایک امرود پر چونچ مارتے، ایک دو لقمے لیتے اور پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ٹیں ٹیں نے ایک امرود میں سوراخ کیا اور ٹینو کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے لگا۔ ٹینا بھی کبھی ایک امرود کتر کر نیچے پھینکتی ہے، کبھی دوسرا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے آج یہ درخت اجڑ کر رہے گا۔ اسی وقت دو مینائیں درخت کے پاس آئیں۔

''وہاں چلو بچو! تمھارے امی ابو بُلا رہے ہیں۔'' انھوں نے آم کے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''چلو، چل کر دیکھتے ہیں۔'' ٹیں ٹیں نے بڑا بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔

مینائیں تو دُوسرے درخت کی طرف چلی گئیں۔ وہ تینوں آم کے درخت کے پاس پہنچے تو اُن کے ابو، یعنی میاں مٹھو بے چینی سے چکر لگا رہے تھے۔ کبھی یہاں اڑتے تو کبھی وہاں۔ مما نے انھیں دیکھ لیا۔ اسی وقت میاں مٹھو کی بھی ان پر نظر پڑی۔

''ادھر آؤ تم تینوں۔'' تینوں حکم سن کر میاں مٹھو کے پاس آ گئے۔

''میں نے تمھیں باغ میں گھومنے کا کہا تھا، باغ اجاڑنے کا نہیں۔'' میاں مٹھو کی بات سن کر وہ چونک گئے۔ اچھا تو یہ وجہ تھی ان کی سنجیدگی کی۔

''بچو! مجھے بہت افسوس ہوا جب ان میناؤں نے تمھاری شکایت کی۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم تینوں ایسی حرکت کرو گے۔'' میاں مٹھو افسوس کرتے ہوئے بولے۔

''ابو! ہم صرف کھیل رہے تھے۔'' ٹیں ٹیں نے صفائی پیش کی تو ٹینا اور ٹینو نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''بیٹا! میں تمھیں کھیلنے سے منع نہیں کر رہا، بل کہ یہ کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو رزق کی ناقدری کرنا اور اُسے ضائع کرنا پسند نہیں ہے۔ جتنے امرود آپ کو کھانے ہیں وہ کھائیں، مگر ضائع نہ کریں۔ اگر ہر آنے والا پرندہ ایسا ہی کرتا جیسا آپ تینوں نے کیا تو آج آپ کو یہاں ایک امرود بھی نظر نہیں آتا۔

بچو! انسان نے رزق ضائع کیا تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ اب اکثر لوگ لقمے لقمے کو ترستے ہیں۔''

میاں مٹھو کی بات سن کر ٹینا کی نگاہوں میں ان کے درخت سے تھوڑی دور موجود گھر گھوم گیا جہاں سے بچوں کے رونے کی آوازیں آتی ہیں، جو بھوک کی وجہ سے اکثر بلک رہے ہوتے تھے۔ تینوں بہن بھائیوں کی سمجھ میں بات آ گئی۔ انھوں نے میاں مٹھو سے معافی مانگی، پھر تینوں دوبارہ باغ کی سیر کرنے لگے، مگر اَب وہ کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچا رہے۔

شام کو باغ سے واپسی پر تینوں بہت خوش ہیں، کیوں کہ آج نہ صرف انھوں نے باغ دیکھ لیا ہے، بل کہ ایک اہم سبق بھی سیکھ لیا ہے۔

تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ گامو کے کھیت میں سب بیل بوٹے اور پودے اَن جانے خطرے کے پیشِ نظر پریشان تھے۔

گامو کو بھی جیسے ہی خطرے کا احساس ہوا، وہ ان پودوں کی دل و جان سے دیکھ بھال کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ گامو نے کوئی غفلت نہ کی۔ اس کے مطمئن ہو جانے سے پھل، سبزیوں، خاص طور سے مٹر، ٹنڈے اور گاجر کے پتوں کو سکون ملا۔ ان کی کھسر پھسر پر مبنی سرسراہٹ بھی کم ہو گئی۔ گامو کا پودوں سے یہ لگاؤ بلا وجہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے وہ انھی پودوں سے ہر سال لاکھوں روپے کا منافعہ حاصل کرتا اور اگلی فصل کی تیاری کیا کرتا تھا، اس لیے وہ اس معاملے میں بہت حساس تھا۔ وہ پودوں کی مکمل دیکھ بھال رکھتا اور پودوں کو کسی بھی نقصان سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ وہ اپنے ہاریوں کو بھی سبزیوں کی نگرانی کرنے کی ہدایت کرتا۔

اس نے ٹنڈوں کے پودوں کی کم زور شاخوں کو دیگر مضبوط شاخوں کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کام میں اس کا بڑا بیٹا کالو بھی معاونت کرتا رہا۔

سبزی کی کیاری میں موجود تمام بیل بوٹوں اور پیڑوں میں لگے پھل پھول یہ منظر دل چسپی سے دیکھتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی شاخ کم زور ہوئی تو گامو اُس حصے کے پھل اور پھول نوچ لے گا، اس طرح پھل تیار ہونے سے قبل ہی شاخوں سے جدا ہو جائیں گے۔ وہ تیز ہوا میں جھوم جھوم کر شاخوں کی مضبوطی کی دُعائیں کر رہے تھے، تاکہ وہ کسی بھی جان دار کی خوراک بننے سے قبل کافی وقت اِن شاخوں پر گزار سکیں۔

تیز ہوا کے جھونکوں میں ان کی یہ خواہش پوری ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے میں اچانک ایک تیز جھونکے کے سبب ایک چھوٹا سا ٹنڈا شاخ سے الگ ہو کر ایک بڑی گاجر کے سر پر گرا۔ وہ گاجر پہلے ہی فکر مند تھی اور دل ہی دل میں ہوا تھم جانے کی دُعا کر رہی تھی۔ اس نے جب چھوٹے ٹنڈے کو قریب دیکھا تو ایک دم چلائی:

''ارے! کیا تمھیں صبر نہیں ہے، تھوڑی دیر اپنی شاخ پر نہیں رہ سکتے۔ تمھارے گرنے سے میرے سر پر کس قدر سخت چوٹ آئی ہے۔ یہ دیکھو، گومڑ بھی بن گیا ہے۔''

''بی گاجر! تمھیں اس ننھے ٹنڈے پر غصہ نہیں کرنا چاہیے۔ تمھیں معلوم ہے اس ننھے ٹنڈے کے کس قدر فائدے ہیں، یہ انسانوں کی مرغوب غذا ہے۔ وہ اس کی بہت قدر کرتے ہیں، مگر تم اس پر غصہ ہو کر اس کی بے عزتی کر رہی ہو،

گاجر کی کہانی

محمد فاروق دانش۔ حیدر آباد

تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

ایک بڑے ٹنڈے نے جب گاجر کو چلّاتے دیکھا تو اُس سے رہا نہ گیا اور وہ ایک دم بول اُٹھا۔

گاجر جو کہ پہلے ہی تیز ہوا کے جھونکوں سے پریشان تھی، اس نے جب ٹنڈے کو غصہ کرتے دیکھا تو بولی:

"اوہو! بڑی قدر و منزلت ہے تمھاری، شاید تمھیں معلوم نہیں کہ ہماری کتنی عزت ہے۔ یہ سبزی صرف اس ملک میں نہیں، پوری دنیا میں پائی جاتی ہے۔ جناب! امیر ہو یا غریب، گاجر تو ہر کوئی شوق سے کھاتا ہے، جب کہ میاں ٹنڈے! آپ کو تو صرف اُفریقہ، شمالی امریکا اور یورپ کے چند ملکوں اور ایشیا ہی میں جانا جاتا ہے۔"

ٹنڈے کو اپنی توہین شاید برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس نے بھی بے چین ہو کر جواب دیا:

"اُف! اتنی خوش فہمی، کیا تمھیں پتا ہے کہ ٹنڈے کو اُفریقی زبان میں کیا کہتے ہیں؟"

گاجر یہ سن کر جذباتی ہونے لگی، اس نے پلٹ کر غصے سے ٹنڈے کو دیکھا اور پھر بولی:

"میاں ٹنڈے! اپنی چھوڑو، یہ بتاؤ کہ گاجر کو کس کس زبان میں کیا کیا کہا جاتا ہے؟ نہیں معلوم ناں؟ چلو میں تمھیں بتاتی ہوں کہ عربی میں گاجر کو جذر، فارسی میں گذر، جب کہ اردو زبان میں گاجر، سندھی میں گجگ، ہندی میں گجر، سنسکرت میں گرنجن اور انگریزی میں کیرٹ (Carrot) کہا جاتا ہے۔ میں اگر تفصیل بتانا شروع کروں تو صبح ہو جائے گی اور گاجر کی تعریف ختم نہیں ہوگی۔ گاجر وہ سبزی ہے جو پوری دنیا میں پائی جاتی ہے۔ اسے ہر جگہ پسند کیا جاتا ہے اور خاص کھانوں کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ گاجر کی قدر و منزلت تم کیا جانو بگلے!"

گاجر کی یہ بات سن کر ٹنڈا سٹ پٹا گیا اور حیرت سے گاجر کو تکنے لگا۔ گاجر نے جب دیگر سبزیوں کو اپنی باتوں میں دل چسپی لیتے دیکھا تو بات کو جاری رکھتے ہوئے بولی:

"اور یہی نہیں، گاجر کی خصوصیات کے سبب قدیم یونانی نسخوں میں گاجر کو خاص طور پر اُدویات کی تیاری کا حصہ بنایا جاتا تھا۔ اس زمانے کے حکیم گاجر کی قسموں کا شجرہ تک تحریر کیا کرتے تھے اور گاجر سے ایسے ایسے مرکبات تیار کرتے تھے کہ جن کے استعمال سے بیمار میں جان پڑ جاتی تھی۔

دورِ جدید میں تیز اَثر اَدویات کی تیاری کے جدید فارمولوں میں بھی گاجر کا استعمال ہونے لگا ہے، خاص طور پر گاجر پر اُگنے والے ریشے، سر پر تاج کی طرح سجے پتے اور چھال کو استعمال کر کے دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔"

اس وضاحت کے باوجود ٹنڈے صاحب اتنی آسانی سے گاجر کی فضیلت تسلیم کرنے والے کہاں تھے۔ آخر اُنھوں نے بوریت کا اظہار کیا:

"اوہو! بس رہنے بھی دو، میں نے بھی کئی گاجروں کو دیکھا ہے جو بالکل سوکھی سڑی ہو جاتی ہیں بے چاری، ان میں تو کوئی افادیت باقی نہیں رہتی۔"

گاجر کو ٹنڈے کی یہ بات بھی بُری لگی کہ آخر ٹنڈے نے اسے سوکھی سڑی کیوں کہا، وہ بھلا اتنی ساری سبزیوں کی موجودگی میں اپنی بے عزتی کیسے برداشت کر سکتی تھی، ایک دم تنک کر بولی:

"میاں ٹنڈے! تمھارا تجربہ ناکافی ہے۔ تمھیں تو یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ ایک تنومند گاجر جب زمین سے الگ ہوتی ہے تو اُس وقت اس میں سات فی صد پانی، پچاسی فی صد پروٹین، پانچ فی صد نشاستہ، نو فی صد نمک، روغنی اجزا اور اکیس فی صد رطوبتیں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی معدنیات، جن میں فاسفورس، چونا، فولاد، پوٹاشیم وغیرہ بھی شامل ہیں، موجود ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی وٹامن اے۔ بی اور کروٹین کی بڑی مقدار بھی موجود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادویات تیار کرنے والے ادارے ہر طرح کی گاجر سے مفید اَجزا الگ کر کے اسے قابل استعمال بنا لیتے ہیں۔

تمام سبزیاں اور خاص طور پر ٹنڈے میاں، گاجر کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔ کسی سبزی میں اس قدر فوائد ہو سکتے ہیں، ایسا انھیں گاجر کی پُرمغز باتیں سُن کر ہی معلوم ہوا تھا۔

"گاجر کے مسلسل استعمال سے جسم میں خون کی کمی دور کی جا سکتی ہے۔ ہڈیوں اور پٹھوں کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ اعصابی کم زوری کی شکایت سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔"

ٹنڈے کے لیے گاجر کی یہ باتیں خاص توجہ کا سبب بن رہی تھیں۔ اس سے قبل اس کیاری میں سبزیوں کے درمیان اس نوعیت کی بحث نہیں چھڑی تھی اور نہ ہی کسی سبزی نے اس قدر واضح انداز میں اپنی صفات بیان کی تھیں، اس نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"اگر تم گاجر کو محض ایک سوکھ جانے والی اور سڑ جانے والی سبزی تصور کرتے ہو تو یہ تمھاری غلط فہمی ہے۔ گاجر کے فائدے ہر موسم میں

یکساں ہیں۔ سردیوں میں گاجر کو حلوے میں استعمال کیا جاتا ہے اور گرمیوں میں اس کا عرق نکال کر اُس کا مشروب بنایا جاتا ہے، اس لیے گاجر کو عام سی سبزی سمجھنا یہ تمھاری خام خیالی ہے۔''

''گاجر کی کیا بات ہے! اسے تو لوگ کچی بھی کھا جاتے ہیں۔'' ٹنڈا طنزیہ لہجے میں بولا۔

گاجر نے یہ سنا تو وہ دوبارہ ٹنڈے کی جانب متوجہ ہوئی اور بولی:

''تمھارے طنز سے گاجر کی فوقیت ختم نہیں ہوجائے گی۔ تمھیں کیا معلوم کہ جو لوگ کچی گاجر اِستعمال کرتے ہیں انھیں کس قدر فائدہ ہوتا ہے۔ تمھاری باتیں تو بس ''بندر کیا جانے ادرک کا سواد'' کا مصداق ہیں، مگر میں تمھیں بتاتی ہوں کہ لوگوں کی اکثریت دالوں، دیگر سبزیوں اور گوشت کے ساتھ گاجر کا خاص سالن تیار کرتی ہے اور گرمیوں کے دنوں میں خواتین کچی کیری، پالک اور گاجر کا اَچار تیار کرتی ہیں۔ گاجر کا اَچار بہت مفید اور ذائقے دار ہوتا ہے۔ گاجروں کو خشک کر کے خشک میووں کے ساتھ مٹھائیاں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ سردیوں کے دنوں میں گاجر کا حلوا سب کا پسندیدہ ہوتا ہے، اس کا بھی اپنا ہی فائدہ ہے۔''

اتنا کچھ سننے کے بعد کچی مٹی سے جھانکتے ایک آلو کو بھی شاید گاجر سے حسد ہونے لگا، وہ بھی ٹنڈے میاں کا ہم نوا ہو گیا اور کہنے لگا:

''ہاں بھئی، دیکھی ہے ہم نے تمھاری شان! بازار میں آتے ہی لوگوں کی پہنچ سے باہر ہوجاتی ہو، غریب تو صرف تمھیں تکتے ہی رہتے ہیں، اور کون سا تم پورے سال بازار میں موجود رہتی ہو جو اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہو، بے چارے ٹنڈے کی بھی آخر کوئی عزت ہے!''

گاجر کی نظریں ٹنڈے سے ہٹ کر آلو پر جم گئیں۔ پہلے تو وہ سوچنے لگی کہ شاید آلو کی ناقدری نے اس میں احساس کمتری کو جنم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سے گاجر کی تعریفیں برداشت نہیں ہو رہی ہیں۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد گاجر دوبارہ گویا ہوئی:

''بھائی آلو! اگر یہ بات ہے تو سن لو، گاجر سارا سال بازار میں کسی نہ کسی صورت میں دست یاب ہوتی ہے، صرف تیز سردیوں کے دوران میں اس کی مانگ بڑھ جاتی ہے، جب کہ اس موسم میں گاجر کی پیداوار گرمی کے دنوں سے زیادہ ہوتی ہے، اور ایسا تو نہیں کہ گاجر کوئی خرید ہی نہ سکے۔ غریب، امیر، سبھی گاجر خوب خریدتے اور تھیلے بھر بھر کر گھروں کو لے جاتے ہیں۔ یہ بھی سن لو کہ جو لوگ گاجر کے فائدے جانتے ہیں، انھیں معلوم ہے کہ گاجر ایک ہاضم خوراک ہے، اس کے

کھانے سے معدے اور آنتوں میں موجود فاضل مواد اور رُطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے۔ آنتوں کی صفائی ستھرائی کے سبب ہضم کا نظام زیادہ موثر ہوجاتا ہے۔

جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ گاجر کے مسلسل استعمال سے خون کی مقدار بڑھ جاتی ہے، خون صاف ہوتا ہے اور دل کے پٹھوں کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ گاجر گردوں، جگر اور معدے کو تقویت دیتی اور اُن کے افعال میں تیزی لاتی ہے۔ مسوڑھوں، دانتوں، ہڈیوں اور پٹھوں کو مضبوط کرتی ہے۔ اعصابی نظام میں آئی کم زوری کو دُور کر کے اعضا کو تقویت دیتی ہے، اسی لیے دل اور شوگر کے مریضوں کو بھی گاجر کے استعمال کی مکمل اجازت ہوتی ہے۔ اکثر

اَمراض کا شکار اَفراد گاجر کا مربا، اچار، حلوا اور گاجر کا سالن بلا تردّد اِستعمال کر سکتے ہیں، گاجر کے فائدے بے شمار ہیں۔''

ٹنڈے کو گاجر کی باتوں میں دل چسپی لیتا دیکھ کر آلو نے بھی ایک اور سوال کر ڈالا:

''بی گاجر! مگر تم سے ادویات تیار کرنے والی کمپنیوں کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟''

گاجر آج خود ہی اپنی وکالت کرنے کے موڈ میں تھی، اس نے آلو کے سوال کا سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے کہا:

''جی جناب! اس دورِ جدید میں جب آئے دن نئی نئی ایجادات ہوتی رہتی ہیں، ادویات تیار کرنے والی مختلف کمپنیاں دیگر سبزیوں سے تیار ہونے والے مرکبات کے ساتھ ساتھ گاجر کے عرق کو دِل کے عارضے کا ٹانک تیار کرنے، دمے، کھانسی اور بلغم کے اخراج کی ادویات کی تیاری، سینے کے درد، پھیپھڑوں کے امراض کے علاج، بصارت کی بہتری، اعصاب کی مضبوطی، دل اور دِماغ کے جملہ امراض سے چھٹکارے اور گردے کی پتھری سے نجات وغیرہ کی ادویات میں استعمال کرتی ہیں۔ خاص طور پر یونانی ادویات کی تیاری میں تو گاجر نے انقلاب برپا کر رکھا ہے۔ سوکھیا کے علاج، کم زور جسم کو موٹا کرنے، فالج سے چھٹکارے اور رعشے سے نجات کی ادویات کی تیاری میں گاجر کا اِستعمال نہایت فائدہ مند رہا ہے۔''

گاجر نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی مسٹر آلو تھوڑا سا کسمسا کر دوبارہ بولے:

''یہ بات ہے تو کچھ قدیمی یونانی دواؤں کے نام ہی بتادو جن میں گاجر کا استعمال ہوتا رہا ہو؟''

بی گاجر کو آلو کی بات سن کر بہت کوفت ہوئی، اس نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے آلو کو غصے سے دیکھا اور بولی:

''اوہو، لگتا ہے تمھاری معلومات نہ ہونے کے برابر ہے۔ بھئی قدیم یونانی نسخوں کی تیاری میں جس قدر گاجر کا اِستعمال ہوتا رہا ہے کسی اور سبزی کا نہیں ہوا ہوگا، ویسے مجھے زیادہ دواؤں کے نام تو یاد نہیں، مگر اِتنا ضرور جانتی ہوں کہ میرے عرق سے جو شربت تیار ہوتا ہے وہ دل ودماغ کو فرحت پہنچانے والی ادویات اور ٹانک کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ گاجر کا شربت نہ صرف دل کو طاقت دیتا ہے، بل کہ دل کی دھڑکنوں کو معمول پر رکھنے، گھبراہٹ، بلڈ پریشر اور شوگر کے مریضوں کو ہیجان سے بچانے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔''

یہ کہہ کر گاجر کچھ ساعتوں کے لیے رک گئی، مگر آلو کو گاجر کا یہ توقف بھی نہیں بھایا، وہ فوراً بولا:

''کیا بات ہے بی گاجر! کیا تمھاری دوائیں اور معلومات، دونوں یہیں ختم ہوگئے کیا؟''

ٹنڈا، آلو اور گاجر کے درمیان ہونے والے مباحثے کو غور سے سن رہا تھا، اب کی بار اُس سے بھی رہا نہیں گیا اور اُس نے بیچ میں لقمہ دیتے ہوئے کہا:

''میاں آلو! لگتا ہے گاجر کی میموری خالی ہوگئی ہے۔ اسے اگلے روز کی فکر ہو رہی ہوگی جب گاما اِسے نکال کر بکریوں کے سامنے ڈال دے گا، پھر دھری رہ جائیں گی بی گاجر کی ساری فضیلتیں۔''

گاجر کو اُن دونوں سے ایسی ہی طنزیہ باتوں کی امید تھی، اس لیے اس نے اب خاموش رہنے میں ہی میں عافیت جانی۔

گاجر کو خاموش دیکھ کر وہ یک زبان ہو کر بولے:

''اچھا چلو، تمھاری ساری باتیں درست مان لیتے ہیں، مگر ہم تمھیں بے مثل سبزی اگر مان بھی لیں تو اس کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟''

بی گاجر اُن کی یہ معصومانہ بات سن کر مسکرائی، اسے یقین ہوگیا تھا کہ اب وہ دونوں گاجر کی باتوں کے قائل ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے وہ آئندہ گاجر کے ساتھ توہین والا رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں گے اور دوسروں کو بھی گاجر کی بے مثل خصوصیات بتایا کریں گے، اس لیے بی گاجر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولی:

''میری باتیں سن کر تم لوگ جان گئے ہوگے کہ صرف گاجر ہی نہیں، کوئی بھی سبزی بے مقصد یا قابلِ تحقیر نہیں۔ میرا یہ سب کچھ بتانے کا مقصد صرف اپنی اہمیت منوانا ہی نہیں، بل کہ سبزیوں کے فوائد سے تمھیں آگاہ کرنا اور خاص طور پر گاجر کے فائدے بتا کر تمھارے مزاج میں درستی لانا تھا، تاکہ تم دونوں آئندہ گاجر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے مفید ہونے کا لحاظ رکھ سکو۔''

گاجر کی بات ختم ہوئی تو آلو نے دوبارہ کسمساتے ہوئے کہا:

''میاں ٹنڈے! دیکھو لگ رہا ہے ہوا کے جھکڑ رُک گئے ہیں، اب تم بھی سنبھل کر بیٹھنا، تاکہ ٹوٹ کر میرے اوپر نہ آ پڑو اور جب تک میں جاگ رہا ہوں بہتر ہے کہ کسی اور سبزی کی خصوصیات پر بحث شروع کر دی جائے، ایسا کرنے سے تمھارے ساتھ ساتھ میرا بھی اچھا وقت گزر جائے گا اور ہماری معلومات میں اضافہ بھی ہو جائے گا۔''

آلو کی یہ بات سن کر گاجر اور ٹنڈا، دونوں ہی ہنس پڑے اور ہوا کے جھکڑ رُک جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگے۔

مٹی کا گھڑا

سکندر رضا کی۔ کراچی

انسانی ضروریات سے وابستگی رکھنے والی چیزوں کو ’’دورِ جدید‘‘ میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے اچھے سے اچھے، آسان اور سہل انداز میں مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ من جملہ ان ضروریات میں سے ایک ضروت گرمی میں ٹھنڈا پانی جمع کرنے کے برتن کی تھی، اس مقصد کے لیے سائنس نے ریفریجریٹر ایجاد کیا، جس سے پانی جمع کر کے ٹھنڈا کرنے کی ضرورت احسن انداز میں پوری کی جاتی ہے، لیکن اس کی ایجاد سے قبل لوگ گھڑوں، مٹکوں اور گاگروں میں پانی جمع کر کے استعمال کرتے تھے، جو ٹھنڈک اور حلاوت میں مصنوعی مشینوں کے پانی سے کئی گنا بہتر ہوتا تھا۔

آج بھی جہاں دیہاتوں اور پسماندہ علاقوں میں برقی تاریں کھینچنے والے کھمبوں کا سلسلہ نہیں پہنچا ہے اور وہاں کے باشندوں نے آنکھوں کو خیرہ کرنے والی برقی قمقموں کی چکا چوند کا نظارہ نہیں کیا ہے، وہاں اب بھی پینے کا پانی انھی گھڑوں اور مٹکوں میں رکھا جاتا ہے۔ اس ظروف سازی کی کہانی بھی بہت دل چسپ اور سبق آموز ہے!

اسے بنانے کے پہلے مرحلے میں کمہار، نرم مٹی دریافت کر کے جمع کرتا ہے، پھر اُس پر پانی چھڑک کر آٹے کی مانند اچھی طرح گوندھ کے گارا بناتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں اسے لکڑی کے مسطح چاک پر رکھ کر گول چکر کے ساتھ پھراتا ہے۔

جب کچا گھڑا بن جاتا ہے تو اُس کے سوکھنے کے بعد آگ کا بڑا کھارا تیار کرتا ہے۔ اس میں کچے گھڑے رکھ کر راکھ اور گوبر سے ڈھانپ کر اندر آگ جلا دیتا ہے، جس سے وہ مٹکے پکتے رہتے ہیں۔ اس عمل کو وہ کچھ دن جاری رکھتا ہے۔

جب وہ مٹکے مکمل پک جاتے ہیں اور سرخ ہو جاتے ہیں تو انھیں آگ کی بھٹی سے باہر نکالتا ہے اور اُس لال گھڑے کے گلے میں پھولوں نما لکیروں کا نقش بنا کر اُسے گویا ’’ہار‘‘ پہناتا ہے اور اُس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے، جس سے اس کی جاذب نظری اور خوب صورتی میں چار چاند لگ جاتے ہیں، پھر خریدنے والا اُسے ٹھوک بجا کر خریدتا ہے۔

عزیز قارئین! کائنات کی ہر چیز میں غور و فکر کرنے سے کوئی نہ کوئی سبق ملتا ہے جو قدرت نے اس میں رکھا ہوتا ہے، جسے عقل مند ہی دریافت کر سکتے ہیں۔ گھڑے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی کوئی اچھا مقام یوں ہی حاصل نہیں کرتا، بل کہ اسے یہ مقام حاصل کرنے کے لیے مٹکے کی طرح مرحلہ وار مشقتوں، مصیبتوں، آزمائشوں اور امتحانات کی بھٹیوں سے پک کر نمودار ہونا پڑتا ہے۔

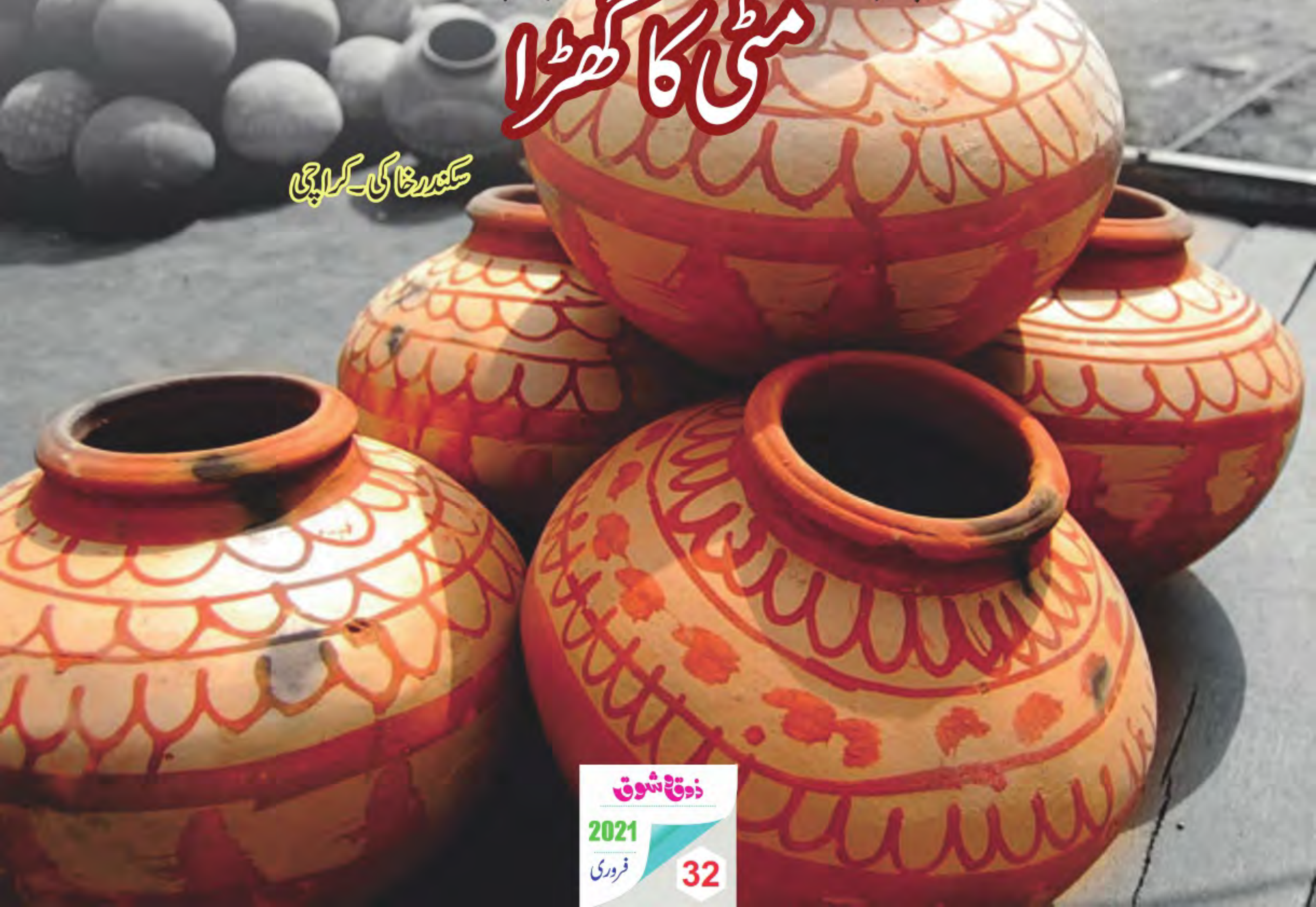

پُرانا کراچی

بلال ہاشمی۔ کراچی

میرے دوست حماد جمال!

السلام علیکم!

مجھے اندازہ ہے کہ تم غصے میں ہوگے، کیوں کہ طے یہ ہوا تھا کہ جب میں ٹائم مشین میں بیٹھ کر ۲۱۰۰ء میں پہنچ جاؤں گا تو فوراً تمھیں اطلاع کروں گا اور اَب پورے دو ماہ ہو چکے ہیں۔ تمھارا غصہ بجا، لیکن میری مجبوری بھی تو سنو۔

دراصل جیسے ہی میں ۲۱۰۰ء میں داخل ہوا، میری ساری ڈوائسز اور دیگر سامان ایک عجیب سی فوج نے ضبط کر لیے اور اُن کی جانچ پڑتال شروع کردی۔ ساتھ ہی مجھے بھی ایک جیل نما کمرے میں بند کر دیا۔ وہاں مجھ سے طرح طرح کے سوالات کیے جاتے رہے، جن سے انھیں اندازہ ہوا کہ میں بھی ۲۰۲۱ء سے بہت سے دیگر لوگوں کی طرح ٹائم مشین میں بیٹھ کر اُن کے زمانے میں آ گیا ہوں۔ یہ جاننے کے بعد اُن کے رویے میں کسی قدر نرمی آئی اور پھر اُنھوں نے مجھے ۲۱۰۰ء کے حالات اور ماحول کے بارے میں آگاہی دینے کے لیے تقریباً ایک ماہ تک بنیادی تعلیم و تربیت دی اور اَب پورے دو ماہ بعد مجھے چھوڑا گیا ہے تو میں یہ پیغام لکھ رہا ہوں۔

ایک مزے کی بات بتاؤں! ۲۱۰۰ء میں کراچی بہت خوب صورت اور شان دار ہو چکا ہے۔ کیا اس کی عمارتیں اور کیا اس کی سڑکیں! بل کہ سڑکیں تو خالی خالی رہتی ہیں، زیادہ تر لوگ اڑنے والی گاڑیوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ ویسے تو یہ سفر مزے دار ہوتا ہے، مگر جب حادثہ ہوتا ہے تو مت پوچھو کیا قیامت برپا ہوتی ہے!

شاپنگ مال نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہ خریداری کے شوق میں کچھ کمی آ گئی ہے، وہ تو بہت بڑھ گیا ہے، مگر اَب آن لائن شاپنگ کی ٹیکنالوجی اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ آپ مستقل کسی پورٹل سے لاگ ان رہتے ہیں، جو لمحہ بہ لمحہ اور گھڑی گھڑی آپ کی ضروریات اور خواہشات کو جانچتا رہتا ہے اور آپ کے اکاؤنٹ کی گنجائش کے مطابق خود آپ کو چیزیں بھجواتا رہتا ہے۔ ہاں، کسی بڑی چیز کو بھجوانے سے پہلے اجازت طلب کرتا ہے۔

علاج معالجے کا بھی یہی حال ہے۔ کسی بڑی ضرورت کے لیے ایک روبوٹ ڈاکٹر جو کہ بذاتِ خود ایک مِنی ہسپتال ہوتا ہے، آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے اور کبھی کبھار تو جبراً بھی علاج شروع کر دیا جاتا ہے۔ سخت بیماروں کو فوراً کسی نامعلوم جگہ پر انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں منتقل کر دیا جاتا ہے، تاکہ بیماریاں معاشرے میں سرایت نہ کرسکیں۔ بوڑھے اور ضعیف لوگ بھی اس قانون کی زد میں آ جاتے ہیں۔

میں نے کچرے کا ذکر نہیں کیا ناں! ہو تو ذکر کروں۔ ہر گھر میں ہمارے دور کی واشنگ مشین کے برابر ایک رِی سائیکلنگ پلانٹ رکھا ہوا ہے، کوڑا اُسی میں ڈالا جاتا ہے اور وہ آن کی آن میں اسے کچھ اور بنا کر دوبارہ نکال دیتا ہے۔ ذرا بڑے سامان کے لیے جگہ جگہ بڑے پلانٹ بھی رکھے ہوئے ہیں۔

خیر، بظاہر تو سب اچھا ہے، مگر لوگ ایک دوسرے سے ملتے جلتے بہت کم ہیں۔ اب تو یہاں تک ہو گیا ہے کہ اگر ملنا بہت ہی ضروری ہو تو میرا ایک مِثل یا کاپی، ایک ڈوائس سے دوسرے کے پاس پہنچ جاتی ہے اور ادھر میں کال پر اُس شخص سے بات چیت کرتا ہوں تو وہ کاپی ہاتھ اور سر وغیرہ ہلا ہلا کر بالکل ایسے بات کرتی ہے جیسے میں خود بات کر رہا ہوں۔

یار! لیکن مجھے یہ سب بہت نقلی لگتا ہے۔ مجھے اصلی انسانوں سے بات کرنے ہی میں سکون ملتا ہے۔

اور سنو، دوستوں کی جگہ خوش مزاج قسم کے روبوٹ سستے سے سستے اور مہنگے سے مہنگے دست یاب ہیں۔ سستے والے ذرا جلدی اپنی اصلیت

پر آجاتے ہیں اور مہنگے والے کافی دیر تک یہ احساس نہیں ہونے دیتے کہ آپ ایک مشین سے بات کررہے ہیں۔

بھائی! دکان دار روبوٹ، پولیس روبوٹ، گاڑیاں روبوٹ، ڈاکٹر روبوٹ اور ٹیچر بھی روبوٹ ہی ہیں۔

اس دن کیا ہوا! بہت دنوں بعد ایک فقیر نظر آیا اور اُپنا دکھڑا سنایا۔ مجھے پرانا کراچی یاد آ گیا اور آنسو پوچھتے ہوئے فوراً پانچ ہزار روپے اُسے دے دیے۔ اس نے نوٹ پکڑا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اُسے نگل لیا۔ مجھے یہ حماقت بہت بُری لگی۔ اس سے پہلے کہ میں غصے میں اُسے کچھ کہتا، AI(Artificial intelligence) کے ذریعے فوراً قریب کھڑے ایک روبوٹ پولیس کو میرے منفی جذبات کی اطلاع کردی گئی۔ اس نے مجھے بُلا کر تنبیہ کی اور بتایا کہ یہ فقیر بھی روبوٹ ہے، جو پُرانی تہذیب کی یاد تازہ کرنے کے لیے کہیں کہیں چھوڑے گئے ہیں اور میں اپنا سا منہ لے کر چلا آیا۔ اب تو کوئی مجھ سے ملنے بھی آتا ہے تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ پٹرول پینا پسند کریں گے یا انجن آئل؟

اور ہاں ''جینڈر ڈاسکریمینیشن''، یعنی جنسی تفریق کی بات کرنا بھی جرم ہے۔ تم نہیں سمجھے نا!؟ تم یہی سوچ رہے ہوگے کہ مرد وزن میں فرق کی بات کرنا غلط ہے؟ ابھی تک پرانے فلسفوں میں ہی پھنسے ہوئے ہو۔ بھائی! اس لفظ کا نیا مطلب یہ ہے کہ انسان اور روبوٹ کو الگ الگ سمجھنا بھی منع ہے، روبوٹوں کو حقیر سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔

یہ سب باتیں تو خیر میں دل ہلکا کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ اب ذرا پریشانی کی بات بھی سن لو۔ سائنس کی اس ترقی نے روبوٹوں کو آج سے تقریباً چالیس سال پہلے ہی اس قابل کر دیا تھا کہ انھوں نے پہلے انسانوں کی غلامی سے الگ ہونے کا مطالبہ کیا، پھر اپنے الگ قوانین کا مطالبہ کیا، پھر الگ علاقوں کا اور اَب ان کی مختلف علاقوں میں بڑی بڑی حکومتیں قائم ہیں، جن سے بہت سی انسانی بستیوں کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ ان کے سردار مسٹر بولٹ ایکس نے حال ہی میں بلوچستان کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا ہے اور اَب ہمارا عزیز شہر بھی خطرے میں ہے۔ ہماری ذہنی اور عسکری صلاحیت ان سے کہیں کم ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے سہارے کے ہمارا کوئی سہارا نہیں۔

کاش! ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی اتنی ترقی کے بجائے تعلقات اور مزاجوں کی اصلاح اور ترقی پر کام کرتے تو صورتِ حال کافی مختلف ہوتی۔ کاش! ہم اس خداداد تخلیقیت (creativity) کو، جسے ہم بڑی سفاکی سے اپنے اداروں میں کچل دیا کرتے تھے، اس طرح پروان چڑھاتے کہ اس سے لوگ ایک دوسرے کے زیادہ سے زیادہ کام آنا سیکھتے۔ اس کی مدد سے ہم ایک دوسرے کا سہارا بننا اور غم بانٹنا سیکھتے۔ کاش! ہم ساری تخلیقیت کو دفن کرکے یا اسے محض ٹیکنالوجی کی نظر کرکے آج مشینوں کی حکومت اور مردہ احساسات کے دور میں نہ جی رہے ہوتے۔

یار! مجھے وہ پرانا کراچی بہت یاد آتا ہے۔ مجھے وہ انسانوں سے بھرا شہر ہی چاہیے، جہاں کی میں صبح شام برائیاں کرتا رہتا تھا۔ مجھے وہی کراچی چاہیے جہاں کے لوگوں کو زیادہ تمدنی شعور نہیں تھا۔ جہاں کے لوگ ہنستے بھی تھے، روتے بھی تھے۔ جہاں کے لوگ معصوم قسم کے جرائم بھی کرتے تھے۔ ہاں حماد! ہمارے زمانے کے جرائم بھی معصوم ہوتے تھے۔ تمھیں نہیں اندازہ کہ اب جرائم کس درجے اور پیمانے کے ہوتے ہیں۔ مجھے وہی لوگ چاہییں جنھیں گلوبلائزیشن کی زیادہ سمجھ نہیں تھی۔ مجھے وہی کراچی چاہیے جہاں دھوکے باز فقیر اور بھانت بھانت کی آوازیں لگاتے خوانچہ فروش آپ کو گھیر کر جیب ہلکی کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

مجھے وہی کراچی چاہیے جہاں ماں باپ کی خدمت کی جاتی تھی۔ مجھے اسی کراچی میں رہنا ہے جہاں ہم بیماروں کے پاس بیٹھتے تھے، جہاں ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے، ایک دوسرے کے قریب رہتے تھے۔ ہم میں کافی خرابیاں تھیں۔ چلو مان لیا کہ ہم بدتہذیب تھے، مگر انسان تھے، لچک دار تھے، احساس رکھتے تھے۔ اب سب صحیح ہے، مگر سب غلط ہے۔ سب نظم وضبط اور ایک ترتیب کے مطابق ہو رہا ہے، مگر اس سب میں یکسانیت اور بوریت ہے۔ تنوع نہیں ہے، رنگ نہیں ہے، فرق نہیں ہے۔ سب مشینی ہے، سب کنٹرولڈ ہے، سب مانیٹرڈ ہے۔

حماد! خدارا! میرے ماضی کے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ انسان کو روبوٹ جیسا نہ بنائیں اور روبوٹوں کو اِنسانوں جیسا نہ بنائیں، ورنہ وہ کچھ ہوگا جس کا میں مزید ذکر نہیں کرنا چاہتا۔

دیکھو، ابھی میں یہ باتیں لکھ رہا ہوں اور مجھے ایک نوٹیفکیشن آچکا ہے کہ میں امن عامہ کو خطرے میں ڈالنے والی اشتعال انگیز باتوں کی طرف جارہا ہوں، اس لیے اب میں اس پیغام کو ختم کرتا ہوں۔ اگر خیریت رہی تو ان شاء اللہ! اگلے ہفتے دوبارہ میل بھیجوں گا اور اگر اس پیغام پر بھی روبوٹ برادری کو اعتراض ہوا تو آئندہ میل بھی نہیں بھیج سکوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھا انسان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

تمھارا دوست

ماں کے سوال پر اُس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ ایک مرتبہ پھر شرمندگی کا مجسمہ بنے ماں کے سامنے ساکت و جامد کھڑا تھا۔ ماں تھی ناں! اس کی ندامت سے جھکی گردن دیکھ نہ سکی۔ آنسوؤں کا ریلا ضبط کے سارے بندھنوں کی دھجیاں اڑاتا ہوا آنکھوں سے بہہ پڑا۔

ماں کی آنکھوں سے امڈتے آنسو اُس سے دیکھے نہ گئے۔

''اچھا آپ روئیں تو نہیں، شروع کروں گا ناں جلد ہی ان شاء اللہ!''

اس نے دوبارہ ماں کو تسلی دینا چاہی۔

''کیسے نہیں روؤں، تُو جہنم کے گڑھوں کی طرف دوڑا جا رہا ہے۔'' ماں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''تجھے پتا ہے کتنا سخت عذاب ہے؟ دنیا بھر کے کاموں کا تم لوگوں کے پاس بہت وقت ہوتا ہے، مگر اپنے رب کے لیے بالکل وقت نہیں ہے۔''

وہ نظریں جھکائے کسی فرماں بردار بچے کی طرح خاموشی سے ماں کی ڈانٹ سن رہا تھا۔

''آج ابا بھی کہہ رہے تھے کہ یہ بالکل نماز نہیں پڑھتا۔ ویسے کوئی کام کہو تو سب سے آگے، لیکن نماز کے معاملے میں......''

ماں کو بولتے بولتے اچانک ایک جھٹکا لگا۔ انھوں نے کرسی کی پشت پر اپنا سَر ٹکایا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئیں۔

بیٹے کا دل دفعتاً زور سے دھڑکا۔ اس کے ذہن میں ایک خدشہ پیدا ہوا تھا۔ ایسا ہول ناک خدشہ کہ جس کے تصور سے ہی اس کی روح کانپ گئی۔ وہ ماں ماں پکارتا ہوا اُن کی نبض چیک کرنے لگا۔ دل کی دھڑکنیں کافی سُست تھیں۔ اس نے لپک کر اَپنا فون اٹھایا اور ایمبولینس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

......☆......

''آپ کی والدہ کی حالت بہت سیریس ہے۔ یہ کہیں ڈپریشن کی مریضہ تو نہیں ہیں؟''

''نہیں، بالکل نہیں!''

ڈاکٹر صاحب کے سوال پر اُس نے جھٹ سے جواب دیا۔

''بہرحال، کسی بڑے صدمے کی وجہ سے انھیں اچانک دل کا دورہ پڑا ہے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ آپ بر وقت انھیں ہسپتال لے آئے، ورنہ......''

ڈاکٹر صاحب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ڈاکٹر صاحب میری والدہ بچ تو جائیں گی نا!؟''

اسے اپنی آواز کسی اندھے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

''وقت سے پہلے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، آپ بھی دعاؤں میں مشغول رہیں۔''

یہ سن کر اُس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اسے پتا تھا کہ ماں کے صدمے کی وجہ وہ خود ہے۔ وہ کپکپاتے ہونٹوں سے بڑبڑانے لگا: ''یا اللہ! میری ماں کو بچا لے۔ میں آئندہ کبھی بھی نماز نہیں چھوڑوں گا، بس میری ماں کو بچا لے۔ میں آئندہ ایک بھی وقت کی نماز نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ مارے اضطراب کے ادھر سے ادھر ٹہلتا ہوا ایک ہی بات مسلسل دہرائے چلا جا رہا تھا۔ اچانک سامنے والے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ڈاکٹر صاحب باہر نکلے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے

سیدھے اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس کا دل یاس کے گہرے تاریک سمندر میں ڈوب گیا۔ آخری احساس اس کے دماغ میں یہی ابھرا کہ اس کی ماں اس سے دور جا چکی ہے۔

اچانک اس کی آنکھ کھلی اور وہ ایک جھٹکے سے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں اور جسم پسینے سے شرابور تھا۔ موبائل کی اسکرین پر نظر ڈالی، رات کے تین بج رہے تھے۔ وہ بستر سے اٹھ کر سیدھا دوسرے کمرے میں آیا، وہاں دھیمی سبز روشنی والا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔ ابو بستر پر آرام سے سو رہے تھے اور امی مصلے پر بیٹھیں اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ صرف ایک ڈراؤنا خواب تھا، حقیقت نہیں۔ خواب میں اللہ تعالیٰ سے کیا گیا اپنا وعدہ اس کے دماغ میں مسلسل گونج رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاید اُس کی ماں کی دعا سن لی تھی۔ وہ پلٹا اور آستینیں چڑھاتا ہوا عشا کی نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنے بیت الخلا کی طرف بڑھ گیا۔

قرآن کوئز ۶

سعد علی چھیپا۔ کراچی

عزیز قارئین! پیشِ خدمت ہے ایک نیا انعامی سلسلہ بنام ''قرآن کوئز''، جس میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ''قرآن کریم'' کے بارے میں پانچ سوال پوچھے جائیں گے۔ صحیح جواب دینے پر آپ کو ملے گا بہترین انعام......

تو دیجیے جواب اور لیجیے انعام......

آپ کا جواب کوپن کے ساتھ ۲۸، فروری، ۲۰۲۱ء تک ہمیں مل جانا چاہیے۔

سوال

۱ قرآن کریم میں سب سے زیادہ کن نبی علیہ السلام کا نام آیا ہے؟

۲ کون سی سورت میں ''بسم اللہ'' دو (۲) مرتبہ آتی ہے؟

۳ قرآن کریم میں کتنی مرتبہ لفظ ''قرآن'' آیا ہے؟

۴ قرآن کریم کی کتنی سورتوں کے ناموں میں صرف ایک حرف ہے؟

۵ قرآن کریم کی کتنی سورتیں ''الحمد للہ'' سے شروع ہوتی ہیں؟

ببلی اور چٹکی

روبینہ عبدالقدیر۔ کراچی

پیارے بچو! بہت پہلے کی بات ہے ایک گاؤں میں بہت بڑا پھولوں کا باغ تھا۔ اس باغ میں گلاب، موتیے، چنبیلی، سورج مکھی اور مختلف قسم کے پیارے پیارے پھول لگے ہوئے تھے۔ اس خوب صورت باغ میں داخل ہوتے ہی پھولوں کی دھیمی دھیمی خوش بُو سب کا استقبال کرتی۔

اس باغ میں دو تتلیاں رہتی تھیں۔ ایک تتلی کا نام ''ببلی'' اور دوسری تتلی کا نام ''چٹکی'' تھا۔ ببلی اور چٹکی آپس میں بہت گہری سہیلیاں تھیں۔ وہ دونوں بہت پیاری تتلیاں تھیں۔ ببلی کا رنگ ''گلابی'' اور ''سفید'' تھا، جب کہ چٹکی ''سبز'' اور ''سفید'' رنگ کی تھی۔ ان کے پروں پر ننھے منے نقطے بنے ہوئے تھے اور اُن کی بڑی بڑی آنکھیں تھی جو اُن دونوں کو حسین بناتی تھیں۔

ایک دن ببلی کا دل جنگل سے کہیں دور سیر کرنے کا چاہا، اس نے چٹکی کو بھی اپنے ساتھ سیر کے لیے تیار کیا۔ بس اب ان دونوں نے اپنی اپنی امی تتلیوں سے اجازت لینی تھی۔

اگلے دن صبح سویرے ببلی اپنی امی کے پاس گئی، امی تتلی پھولوں سے جمع کیا ہوا رَس سنبھال کر رکھ رہی تھیں۔ کچھ دن بعد ساون کا موسم شروع ہونے والا تھا، پھر برسات کی وجہ سے وہ کھانے کے لیے باہر نہیں جا سکتی تھیں، بل کہ گھر پر رہا کرتی تھیں، اسی وجہ سے وہ تھوڑا تھوڑا رَس روزانہ جمع کر کے رکھ دیتیں، تا کہ ساون میں کام آسکے۔

''امی! مجھے اجازت دیں، میں چٹکی کے ساتھ سیر کے لیے جانا چاہتی ہوں۔'' ببلی نے امی کے پاس آ کر اپنے خوب صورت پر پھڑ پھڑائے۔

''ببلی بیٹا! آپ دونوں اکیلے کیسے جاؤ گی؟ کہیں کھو نہ جاؤ۔'' امی تتلی پریشانی سے بولیں۔

''امی! ہم دونوں زیادہ دور نہیں جائیں گی، بس شام سے پہلے ہی واپس آجائیں گی۔ پلیز، ہمیں جانے دیں۔'' ببلی ضد کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا، چلو جاؤ، اور ہاں، خیال سے جانا اور چٹکی کا بہت خیال رکھنا۔ اس کا چٹکی بجانے والا ہاتھ پکڑ کر رکھنا، ورنہ کہیں وہ گر نہ جائے۔'' امی تتلی اجازت دیتے ہوئے بولیں۔

چٹکی بھی اپنی امی سے اجازت لے کر آ چکی تھی۔

......☆......

دن بھر سیر کرنے کے بعد اُن دونوں کو شدید بھوک لگ گئی۔ آج انھوں نے بہت سے درخت، پہاڑ، برف باری، پرستان اور بہت پیاری نئی نئی چیزیں دیکھی تھیں، پھر بھوک لگنے کے بعد اَب دونوں پھولوں کی تلاش میں اڑ رہی تھیں۔ انھیں پھولوں کا رَس بہت پسند تھا۔ پھولوں کا رَس پی کر وہ بہت خوش ہوتیں۔ پھولوں کا رَس ہی ان کی غذا تھی۔

''ببلی مجھے گلاب کے پھولوں کی خوش بُو آ رہی ہے۔'' اچانک چٹکی نے چٹکی بجا کر کہا۔ اسے بات بات پر چٹکی بجانے کی عادت تھی۔

''خوش بُو تو مجھے بھی آ رہی ہے، لیکن یہ گلاب کے پھولوں کی نہیں، بل کہ چنبیلی کے پھولوں کی ہے۔'' ببلی اپنی ننھی منی ناک سکوڑ کر بولی۔

''چلو آؤ، پھر اس خوش بُو کی جگہ کو ڈھونڈتے ہیں، خوش بُو سے زیادہ ان پھولوں کا رَس مزے دار ہوگا۔'' چٹکی پھر چٹکی بجا کر بولی۔

''اف! اب اگر تم نے چٹکی بجائی تو نیچے گر جاؤ گی۔ میرا ہاتھ پکڑ لو، تا کہ تمھاری چٹکی رک جائے۔'' ببلی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے خوش بُو کی سمت اڑنے لگیں۔

ابھی وہ آدھے راستے تک ہی پہنچی تھیں کہ انھیں اڑتا ہوا ایک مکوڑا ملا۔ مکوڑے کی شکل ہیلی کاپٹر جیسی تھی۔ اسے سب ''بھیا کپٹر'' کہتے تھے۔

''ارے، ببلی اور چٹکی! کہاں جا رہی ہو۔ زیادہ دور مت جاؤ'' وہ ان کا راستہ روکتے ہوئے بولا۔

''دیکھو بھیا کپٹر! ہمیں پھولوں کی خوش بُو اپنے پاس بلا رہی ہے، اس لیے ہمیں جانے دو۔ ہم اب چھوٹی نہیں ہیں۔'' ببلی اس کے پاس سے گزرتے ہوئے خفگی سے بولی۔

''میری ننھی بہنو! تم دونوں جس طرف جا رہی ہو وہاں انسانوں کی آبادی ہے، میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔ میں نے وہاں لوگوں کو خوف زدہ دیکھا ہے۔ سب اپنے گھروں میں بند ہیں اور باہر نہیں نکل رہے۔ مجھے کسی نے بتایا ہے کہ انسانوں کی دنیا میں کوئی ''وبا'' آئی ہوئی ہے۔ تم دونوں بھی واپس چلی جاؤ۔ کہیں تم دونوں کو کچھ ہو نہ جائے۔'' وہ انھیں ڈراتے ہوئے بولا۔

''وبا!؟'' یہ کیا چیز ہوتی ہے بھیا؟'' چٹکی نے دوسرے ہاتھ سے چٹکی بجا کر پوچھا۔ ببلی کو اُس کی چٹکی پر غصہ تو بہت آیا، لیکن چپ رہی۔

''وبا کا مطلب ہوتا ہے ''پھیلنے والی بیماری''۔ یہ پھیلتے پھیلتے سب کو لگتی ہے۔ اس دوران میں احتیاط کرنی چاہیے۔ صفائی کا خاص اہتمام کرنا

چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی آداب کا خیال رکھنا چاہیے، جیسے چھینکتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھنا وغیرہ، اور صاف ستھری تازہ خوراک کھانی چاہیے۔'' کپٹر بھیا نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھا! لیکن انسانوں کی دنیا میں تو بہت گندگی اور کچرا ہے، جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر جمع ہیں۔ میری امی بتا رہی تھیں کہ انسان صفائی کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔'' ببلی نے اپنی پیاری پیاری آنکھوں سے کپٹر بھیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، اسی لیے تو وہاں بیماریاں پھیلتی ہیں۔''

''لیکن کپٹر بھیا! یہ وبا کہاں سے آئی ہے؟'' ببلی نے اچانک تشویش سے پوچھا۔

یہ تو پتا نہیں کہ کہاں سے آئی ہے، لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انسان جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تھے، نماز میں سستی کرتے تھے، قرآن پاک کبھی کبھار پڑھتے تھے اور سنت پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، اب دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ رہے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بھی انھیں معاف کردے گا اور یہ بیماری ختم ہوجائے گی ان شاء اللہ!'' کپٹر نے اپنے پر ہلاتے ہوئے کہا۔

ببلی اور چٹکی کو اپنے کپٹر بھیا کی بات سمجھ آ گئی اور وہ اللہ تعالیٰ سے انسانوں کی صحت اور عافیت کی دعا مانگتے ہوئے اپنے گھر واپس چلی گئیں۔

بقیہ: سیرت کہانی

''تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟'' سب نے کہا:

''آپ ہمارے سردار ہیں اور سمجھ کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں۔'' سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں تم سے اس وقت تک بات نہ کروں گا جب تک تم سب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ۔''

اللہ کی شان! شام نہ گزری تھی کہ قبیلہ بنی عبدالاشہل میں سے کوئی مرد اور عورت ایسا نہ رہا جو مسلمان نہ ہوگیا ہو۔ (عیون الآثار، ج:۱، ۱۵۸)

صرف ایک شخص عمرو بن ثابت، جن کا لقب اصیرم تھا، اسلام لانے سے رہ گئے، لیکن وہ بھی جنگ احد کے دن اسلام لے آئے اور اِسلام لاتے ہی جہاد کے لیے پہنچ گئے اور شہید ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

''بتلاؤ، وہ کون ہیں جنھوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گئے؟''

جب لوگ جواب نہ دے پاتے تو آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے:

''وہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے اصیرم (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''

(زرقانی، ج:۱، ص:۳۱۶)

......(جاری ہے)......

بچو! اس کا نام بتانا ۶ کا درست جواب

شہد کی مکھی ، شہد کی مکھی

بچّو! وہ ہے شہد کی مکھی

راہ انقلاب

محمد حذیفہ رفیق زم زمی۔ کراچی

صفر ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور بنواُمیہ کی خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سنبھالی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب خلافت سنبھالی تو اُس میں بہت سی خوبیوں کی باوجود بہت ساری خامیاں بھی موجود تھیں، جن کی اصلاح کسی انقلاب کی منتظر تھی۔

پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں یہ انقلاب ظہور پذیر ہوا۔

بنواُمیہ کے خلفا کے پاس دولت کے انبار تھے۔ شاہی خاندان کے اخراجات کا کوئی حساب ہی نہیں تھا، لیکن دولت ایسی چیز ہے جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی حرص اور لالچ اپنے ساتھ لاتی ہے، جب کہ شاکر (شکر گزار) اور قانع (قناعت پسند) کے لیے چند ٹکے بھی گزر بسر کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔

دولت کی ریل پیل کے باوجود اُموی شہزادے اور شاہی خاندان کے لوگ، عام مسلمانوں کی جائیدادوں پر قابض تھے۔

حکومت اور خلافت کو دینی خطوط پر چلانے کے لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے شاہی خاندان، بنوامیہ میں رائج اور پھیلی بدعنوانیوں کی اصلاح کی جائے، اس لیے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر، خاندان اور تعلق والوں سے ابتدا کی۔

شاہی خاندان بنواُمیہ کا ایک امیر عنبسہ بن سعید آپ کے خلیفہ بنتے ہی آپ کے پاس تشریف لایا۔ اس کی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پرانی دوستی تھی۔ اس نے کہا:

''امیر المؤمنین! سلیمان بن عبدالملک نے میرے لیے بیت المال سے بیس ہزار دینار کی ادائیگی کا حکم دیا تھا۔ سرکاری مہر بھی لگ گئی ہے، صرف وصولی باقی ہے۔ آں جناب سے میرا تعلق اور قرابت سلیمان سے بھی زیادہ ہے، اس لیے اب آپ سے اس کی منظوری کی درخواست ہے۔''

اس کی بات سنتے ہی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بیس ہزار دینار سے چار ہزار مسلمانوں کے گھر چل سکتے ہیں، اتنی رقم میں ایک آدمی کو دے دوں!؟ خدا کی قسم! مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا!''

عنبسہ نے اپنی بات کی دلیل کے طور پر سرکاری مہر لگا ہوا پرچہ سامنے رکھ دیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اسے سنبھال کر رکھو، شاید میرے بعد کوئی ایسا حاکم آجائے جو اِس کی جرأت کر سکے، میں تو یہ نہیں کر سکتا۔''

اب عنبسہ کے ترکش میں صرف آخری تیر رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ بھی چلا ہی دینا چاہیے۔ ورس نامی پہاڑ کی زمین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں کے نام پر تھی۔ اس نے کہا:

''امیر المؤمنین! کوہِ ورس کی زمین کا کیا ہوگا؟''

آپ رحمۃ اللہ علیہ سنتے ہی بولے:

''تم نے خوب یاد دلایا، میں بھول گیا تھا۔'' یہ کہہ کر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے زمین کے کاغذات منگوائے اور سب کو پُرزے پُرزے کر دیا۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز: ص: ۵۵۔۵۶، عالم الکتب، بیروت)

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بننے کے بعد اُن کی پھوپھی ان کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک کے پاس آئیں اور کہا:

''مجھے امیر المومنین سے ملنا ہے۔''

فاطمہ بنت عبدالملک نے کہا:

''بس ذرا انتظار کر لیں، وہ ابھی کچھ مصروف ہیں۔''

بقیہ صفحہ نمبر 43 پر

خوش خبری

مقابلۂ خوش خطی ۵

طلبا و طالبات کے لیے انعامات جیتنے کے مواقع

بارہ مہینے بارہ انعامات

انعامات:

اول آنے پر 1000 روپے	دوم آنے پر 700 روپے
سوم آنے پر 500 روپے	

مقابلے میں شریک ہونے کے لیے مندرجہ ذیل فن پارے کو لکھیے۔ جو قاری اس فن پارے کو عمدہ انداز میں لکھنے میں کام یاب ہو گیا، وہ انعام کا حق دار ہوگا۔

تو پھر دیر کس بات کی! اٹھایئے کاغذ اور قلم، کیجیے مشق...... اور ہمیں جلد از جلد اِرسال کر دیجیے۔

مقابلے سے متعلق ضروری ہدایات:

☆ کمپیوٹر پیپر (A-4 سائز) صفحہ استعمال کیجیے۔

☆ فن پارے کو لکھنے کے لیے فونٹین پین، پنسل، کٹا ہوا پین اور کٹا ہوا مارکر استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ کالی اور نیلی روشنائی استعمال کیجیے، کوئی اور رنگ بالکل استعمال نہ کیجیے۔

☆ صفحے کے چاروں جانب سے تقریباً ایک ایک اِنچ کا فاصلہ رکھ کر نمونہ تحریر کیجیے۔

زیرِ انتظام

شعبہ خوش خطی، البدر ہائر سیکنڈری اسکول

الباری

نوٹ: فن پارہ ۲۸ فروری ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہو جانا چاہیے۔ ایک فن پارہ ایک طالب علم کی طرف سے قبول کیا جائے گا۔ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا، جس پر اِعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے فن پارے مقابلے میں شریک نہیں کیے جا سکیں گے۔

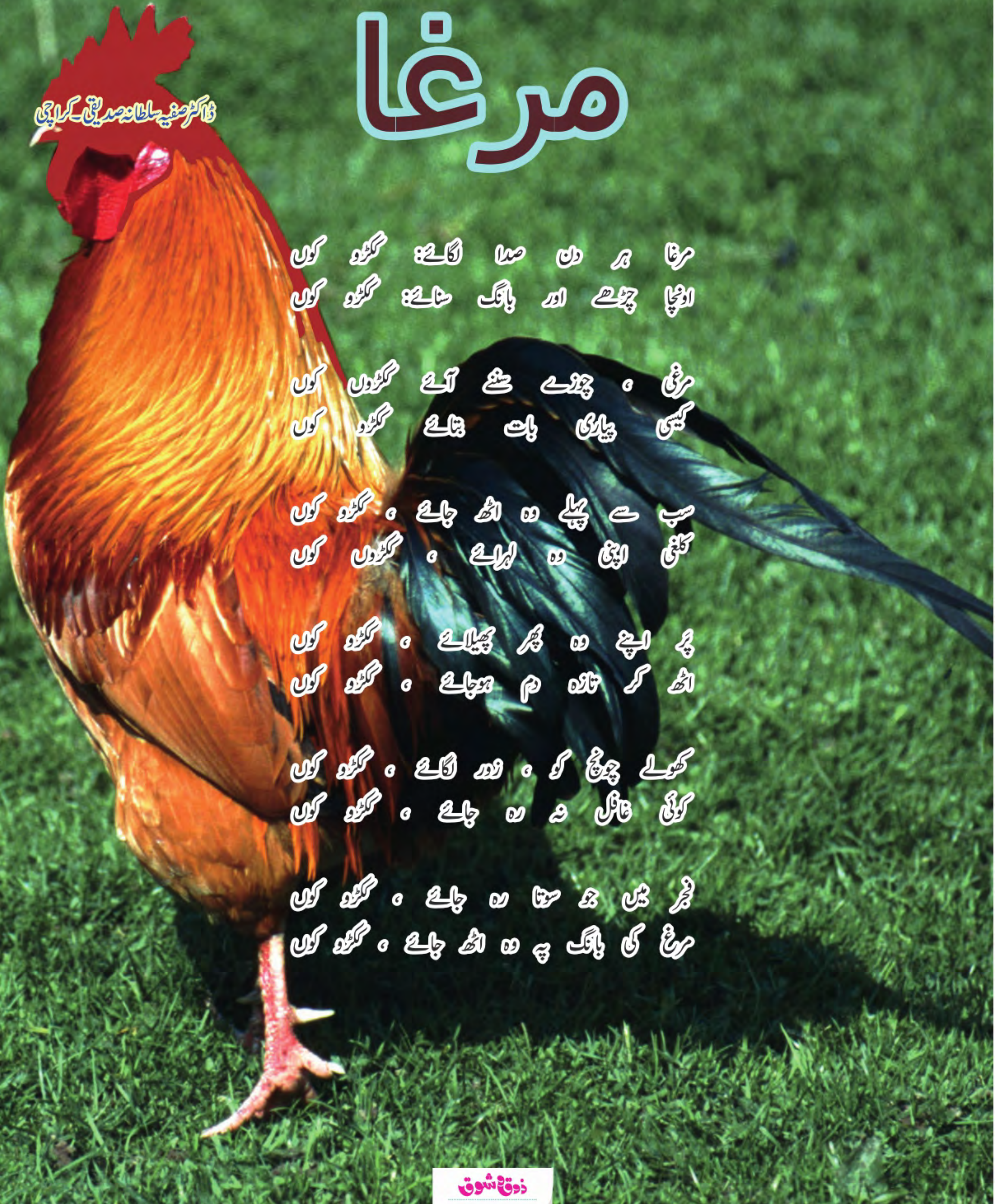

مرغا

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی۔ کراچی

مرغا ہر دن صدا لگائے: ککڑو کوں
اونچا چڑھے اور بانگ سنائے: ککڑو کوں

مرغی ، چوزے سننے آئے ککڑوں کوں
کیسی پیاری بات بتائے ککڑو کوں

سب سے پہلے وہ اٹھ جائے ، ککڑو کوں
کلغی اپنی وہ لہرائے ، ککڑوں کوں

پر اپنے وہ پھر پھیلائے ، ککڑو کوں
اٹھ کر تازہ دم ہوجائے ، ککڑو کوں

کھولے چونچ کو ، زور لگائے ، ککڑو کوں
کوئی غافل نہ رہ جائے ، ککڑو کوں

فجر میں جو سوتا رہ جائے ، ککڑو کوں
مرغ کی بانگ پہ وہ اٹھ جائے ، ککڑو کوں

عزیز بچے

عمارہ فہیم۔کراچی

''چلو بچو! آج آپ سب مجھے بتائیں کہ کون بڑا ہو کر کیا بننا چاہتا ہے۔''

مس سارہ نے ٹیوشن کے سب بچوں سے پوچھا۔

''جی تو حریم! آپ بتاؤ، آپ بڑی ہو کر کیا بننا چاہتی ہو؟''

''مس! میں ڈاکٹر بنوں گی اور سب کا بہت اچھا علاج کروں گی۔''

''بہت خوب حریم!''

''جی تو سعد! آپ کیا بنو گے؟''

''میں انجینئر بنوں گا اور ہمارے شہر کا جو اِتنا بُرا حال ہے اسے صحیح کروں گا۔''

''ماشاءاللہ!''

''زین! آپ بتاؤ۔''

''میں فوجی بنوں گا اور اَپنے ملک کا دفاع کروں گا دشمنوں سے۔''

''ماشاءاللہ! واہ بھئی فوجی صاحب!''

''ثنا! آپ بتاؤ۔''

''میں تیتر بن داؤں مت! (میں ٹیچر بن جاؤں مس!)''

ثنا نے اپنی توتلی زبان میں پوچھا۔

''ارے واہ! ہماری ننھی گڑیا ٹیچر بنے گی۔ کسے پڑھاؤ گی آپ؟''

''میں مما، ددا، بیبا، تب تو پلاؤں دی۔ (میں مما، دادا، بھیا، سب کو پڑھاؤں گی۔)''

''اچھا، واہ بھئی! شاباش!''

''ریان! آپ بتاؤ بیٹا! آپ کیا بنو گے؟''

ریان جو غائب دماغی سے بیٹھا تھا، اپنا نام سن کر چونک گیا۔

''جی مس! کیا آپ نے مجھے بلایا؟''

''جی بیٹا! میں آپ سب سے کچھ پوچھ رہی تھی، آپ نے نہیں سنا کیا؟''

''سوری مس!'' معصومیت سے ریان نے معذرت کی۔

یہ ۴، ۵، ۶ سال کے بچے مس سارہ کو بہت عزیز تھے۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! چلو، اب سنو، میں سب سے پوچھ رہی ہوں کہ سب بڑے ہو کر کیا بنیں گے۔ سب نے بتا دیا، اب آپ بتاؤ۔''

''مس! میں تو ڈاکو بنوں گا۔''

ریان کا جواب سب کو صحیح سمجھ نہ آیا، لیکن مس سارہ کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔

''کیا کہا آپ نے!؟''

''مس میں ڈاکو بنوں گا۔'' اٹل لہجے میں جواب دیا گیا۔

''کیوں!؟'' خود کو سنبھالتے ہوئے مس سارہ نے پوچھا۔

''مس! وہ ڈاکو نا! وہ سب سے بہادر ہوتا ہے اور وہ بہت طاقت وَر بھی ہوتا ہے۔''

''اور یہ سب آپ کو کس نے کہا کہ ڈاکو سب سے طاقت وَر ہوتا ہے؟''

''مس! کل سب گھر میں ایک فلم دیکھ رہے تھے۔ اس میں، میں نے ایک ڈاکو دیکھا تھا۔ اس سے سب ڈر رہے تھے۔ پولیس بھی ڈر رہی تھی۔ وہ بہت طاقت ور تھا۔ مس! سب کو مار دیا تھا اس نے۔''

''اچھا تو جو لوگ اُس سے ڈر رہے تھے وہ اس ڈاکو کو اچھا کہہ رہے تھے یا بُرا اور اُس کی تعریف کر رہے تھے یا برائی؟''

''مس! سب اسے بُرا کہہ رہے تھے۔''

''ہمم...... اچھا اب بتاؤ، اگر میں آپ کو ڈانٹوں

اور غصہ کروں تو آپ کو اچھا لگے گا؟''

''نہیں مس! میں تو روؤں گا۔''

''ہمم مم...... پھر جب آپ بڑے ہو جاؤ گے اور آپ کہہ رہے ہو کہ آپ ڈاکو بنو گے تو کیا آپ کو اچھا لگے گا کہ کوئی آپ کو بُرا کہے؟''

''نہیں مس!''

''اچھا چلو، میں آپ کو سب ایک سچی کہانی سناتی ہوں۔''

''جی مس!'' سب بچوں نے یک زبان کہا۔

''بچو! ایک بچہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے چھوٹی سی چوری کی، اسے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ آہستہ آہستہ وہ بچہ ایک بہت بڑا ڈاکو بن گیا۔ اب پورے علاقے کے لوگ اس سے بہت پریشان رہنے لگے۔ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی کا سامان لوٹ لیتا۔ بدلے میں آپ سب جانتے ہیں اس ڈاکو کو کیا ملتا تھا؟''

مس نے اپنی بات روک کر سب بچوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نہیں مس! ہمیں کیسے پتا ہو گا؟''

زین کے ساتھ سب نے جواب دیا، صرف ریان خاموش بیٹھا رہا۔

''ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ سب کی طرف سے بدلے میں اس ڈاکو کو کیا ملا۔''

مس سارہ نے کہا تو سب بچے اور زیادہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بچو! اس ڈاکو نے سب کو تکلیف دی، ان کا سامان چرایا۔ اس سب کے بدلے میں لوگ اسے بُرا بھلا کہتے تھے۔''

''مس! پھر اس ڈاکو کا کیا ہوا؟'' حریم نے تجسس سے پوچھا۔

''بیٹا! اس کے ساتھ بہت بُرا ہوا، اسے گرفتار کیا گیا اور سزا دی گئی۔

اس لیے بیٹا! ہمیں کبھی بھی ایسا کوئی کام کبھی نہیں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے لوگوں کا نقصان ہو، انھیں تکلیف پہنچے اور وہ ہمیں بُرا بھلا کہیں یا کوئی ہمارا دشمن بنے اور ہمیں اس کے بدلے سزا دی جائے۔ اسی طرح ہمیں ایسی چیزوں سے بھی بچنا چاہیے جن کی وجہ سے ہم ایسے بُرے بُرے کام سیکھیں۔ ٹھیک ہے بچو!''

''جی مس!'' سب بچوں نے ایک آواز میں کہا۔

''مس میں اب کبھی بھی بُرا نہیں بنوں گا۔ میں ایسا بنوں گا کہ لوگ مجھے اچھا کہیں۔''

ریان نے فوراً کہا تو مس سارہ نے اسے شاباش دینے کے ساتھ ان شاءاللہ کہا تو سب بچوں نے بھی ساتھ ساتھ ان شاءاللہ کہا۔

بقیہ: تاریخی جھلکیاں

اچانک سامنے سے ان کا خادم گھر کا چراغ لے کر گزرا۔ فاطمہ نے ان سے کہا:

''اب آپ مل لیں، کیوں کہ اب وہ اپنے کسی ذاتی کام میں مشغول ہو گئے ہیں۔ جب تک وہ دفتری کام میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت تک سرکاری چراغ استعمال کرتے ہیں، لیکن جب کوئی اپنا ذاتی یا گھریلو کام پیش آتا ہے تو پھر سرکاری چراغ استعمال نہیں کرتے، بل کہ گھر کا چراغ منگواتے ہیں۔''

پھوپھی ملنے گئیں تو آپ چھوٹی چھوٹی روٹیاں، زیتون کے تیل اور نمک کے ساتھ تناول فرما رہے تھے۔ پھوپھی نے کہا:

''میں آئی تو اپنے کام سے تھی، لیکن تمھیں دیکھ کر تمھاری حاجت کا خیال آ گیا۔''

امیر المومنین کے پوچھنے پر کہنے لگیں:

''ذرا اس کھانے سے اچھا کھانا کھایا کرو!''

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''پھوپھی جان! میری گنجائش نہیں، اگر ہوتی تو ضرور کھاتا۔''

اس کے بعد پھوپھی نے اپنی درخواست پیش کی:

''امیر المؤمنین! آپ کے چاچا عبدالملک بن مروان مجھے وظیفہ (سالانہ خرچہ) دیا کرتے تھے، پھر تمھارے (چچازاد) بھائی ولید بن عبدالملک خلیفہ بنے تو اُنھوں نے اس میں اضافہ کر دیا۔ اب تم خلیفہ بنے ہو تو تم نے سرے سے اسے ختم ہی کر دیا۔''

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پھوپھی کی پوری بات سن کر فرمایا:

''پھوپھی جان! میرے چچا عبدالملک اور میرے بھائی ولید اور سلیمان، آپ کو مسلمانوں کے مال میں سے دیا کرتے تھے۔ یہ مال میرا ہے ہی نہیں تو میں آپ کو کیسے دوں؟ ہاں اگر آپ چاہیں تو میں اپنا مال آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں!؟''

انھوں نے پوچھا:

''کل کتنا مال ہے؟'' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''وہی جو مجھے (سالانہ) وظیفہ ملتا ہے، دو سو (۲۰۰) دینار، وہ آپ کو دے سکتا ہوں۔'' پھوپھی نے تنگ آ کر کہا:

''میں اس رقم کا کیا رقم کروں گی؟'' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا:

''میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں!''

یہ سن کر اُن کی پھوپھی وہاں سے چلی گئیں۔

(ماخوذ از: سیرۃ عمر بن عبد العزیز، عبد اللہ بن عبد الحکم أبو محمد المصری (المتوفی: ۲۱۴ھ)
تاریخ امت مسلمہ: ۳/ ۱۶۸-۱۷۴)

کڑی پتّا

سعد علی چھیپا۔ کراچی

مارکیٹ میں آسانی سے سستے داموں مل جانے والا کڑی پتّا استعمال میں نہایت آسان ہے۔ اسے سلاد، دالوں میں بگھار، ہری چٹنی، نیم گرم پانی میں ڈال کر، مختلف کھانوں میں پکا کر اِستعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ اسے عموماً ایشیائی کھانوں میں ذائقے اور خصوصاً خوش بُو کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بریانی کی پلیٹ کے درمیان سجا ہوا کڑی پتّا اس کی اشتہا میں اضافے کا سبب بھی بنتا ہے، یعنی آپ اسے مختلف کھانوں میں سجاوٹ کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ کھانوں کے علاوہ کڑی پتّا اور بھی کئی لحاظ سے آپ کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔ کڑی پتّا آئرن اور فولک ایسڈ کا خزانہ ہے، اسی لیے خون کی بیماری اینیمیا کا بہترین علاج ہے۔

☆ کڑی پتّا خون میں شوگر کا لیول کنٹرول کرنے میں انتہائی مؤثر ہے، جب کہ اس میں موجود فائبر، شوگر لیول کو کم کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

☆ یہ بدہضمی میں انتہائی مؤثر ہے۔

☆ کڑی پتّے میں قبض کے خاتمے کی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

☆ کڑی پتّا خون میں کولیسٹرول لیول کو کنٹرول کرتا ہے۔

☆ کڑی پتّے میں کیموتھراپی کے مضر اَثرات کو کم کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

☆ کڑی پتّے میں کینسر سے بچانے کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔

☆ کھانسی، سینے کی جکڑن اور نزلے میں کڑی پتّا انتہائی مفید ہے۔

☆ اس میں بالوں کی نشوونما کی زبردست خوبیاں پائی جاتی ہیں، بالوں کے گرنے، خشکی اور وقت سے قبل بالوں کا سفید ہونا جیسی بیماریوں کے خلاف کڑی پتّے میں زبردست علاج موجود ہے۔

☆ کڑی پتّے کے تیل کی مالش کر کے بھی کئی فوائد حاصل کیسے جاسکتے ہیں۔

☆ اسکا استعمال بغیر آپریشن پتھری کو باہر نکالنے میں بھی مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

☆ کڑی کے پتّے ذہنی پریشانی سے نجات پانے اور پُرسکون ہونے کے بھی کام آتے ہیں۔

☆ کڑی پتّے کا استعمال سر درد سمیت دیگر بیماریوں سے نجات دلانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ سر درد کی شکایت والے حضرات اگر کڑی پتّے کے تیل کی مالش کریں تو بھی انھیں درد سے افاقہ ہوتا ہے۔

☆ کڑی پتّے کو کھانے یا پھر اُسے جلد پر لگانے سے چہرے کے کیل مہاسے اور جھائیاں دور ہوجاتی ہیں، جب کہ جلد پر لگے داغ دھبے بھی ختم کرنے میں کڑی پتّا بہت کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔

☆ کڑی کے پتّوں کو گھروں میں پائے جانے والے کیڑے مکوڑوں سے نجات کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کڑی کے پتّوں کی خوش بُو حشرات کو دُور بھگاتی ہے اور اُنھیں انڈے دینے اور اُن سے بچے نکلنے سے روکتی ہے۔

☆ کڑی کے پتّوں کی چائے بھی کئی فوائد کی حامل ہے۔

تاہم یہاں اس بات پر کو مدِّنظر رکھا جائے کہ کسی بھی بیماری میں مبتلا افراد معالج کے مشورے کے بغیر کڑی پتّے کا استعمال نہ کریں۔ مزید یہ کہ کسی بھی چیز کی زیادتی آپ کے لیے نقصان کا سبب بن سکتی ہے، اس لیے کھانے میں ایک آدھ کڑی پتّے سے زیادہ کا اِستعمال مت کریں۔

کوکو

مصباح ناز۔ جہلم

عمارہ نے ایک بہت خوب صورت توتے کا بچہ پال رکھا تھا، جسے وہ اپنے ابو کے ساتھ جا کر خرید کر لائی تھی۔ توتا صبح شام اپنی پیاری آواز میں گیت گاتا رہتا۔ عمارہ نے اس کا نام کُوکُو رکھ دیا، کیوں کہ وہ کوئل کی طرح سریلی آواز میں گاتا تھا۔ عمارہ کے گھر والوں نے حفاظت کی خاطر ایک کتا بھی پال رکھا تھا، وہ بھی کوکو کے نغموں کا دیوانہ تھا۔ وہ صبح شام کوکو کے پنجرے کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔

گھر کے قریب ہی ایک آوارہ بلی رہتی تھی۔ اسے کوکو کے نغموں کی آواز آتی تو اُس کے منہ میں پانی آ جاتا اور وہ عمارہ کے گھر کی چھت پر منڈلانے لگتی۔ وہ اس تاک میں رہتی کہ کب کتے میاں یہاں وہاں ہوں اور وہ کُوکُو کو ہڑپ کر جائے۔

آخر کار بہت دنوں کے انتظار کے بعد بلی بیگم کو یہ موقع بھی مل گیا۔ عمارہ اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ گھر سے باہر گئی ہوئی تھی اور آج تو کتے میاں بھی نیند کی وادی میں پہنچے ہوئے تھے۔ بلی بیگم فوراً کوکو کے پاس پہنچ گئی۔ کوکو اُسے دیکھ کر گھبرا گیا، کیوں کہ اسے کتے میاں نے بلی سے ہوش یار رہنے کا کہا تھا۔ بلی بیگم بولی:

''گھبراؤ نہیں، میں تمھیں یہاں سے آزاد کرنے آئی ہوں۔ تم بہت اچھے ہو، اس لیے تمھیں اس طرح قید میں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ کیا تمھارا دِل نہیں چاہتا درختوں پر آزاد گھومنے کا۔ مجھے دیکھو، میرا جب جی چاہتا ہے میں کہیں بھی چلی جاتی ہوں۔''

کوکو نے سوچا تو اُسے بلی بیگم کی بات صحیح لگی۔ بلی بیگم نے اسے اپنے قریب آنے کو کہا۔ جوں ہی کوکو اُس کے قریب آیا، بلی بیگم نے اسے اپنے پنجوں میں دبوچ لیا، مگر پنجرے کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے وہ اسے باہر نہ نکال پائی۔ کوکو شور مچانے لگا، جس سے کتے میاں کی آنکھ کُھل گئی اور وہ بلی کی طرف بھاگا۔ بلی بیگم نے کُوکُو کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے میں ہی غنیمت سمجھی اور بھاگ نکلی۔

مگر کوکو شدید زخمی ہو چکا تھا۔ کتے میاں زور زور سے بھونکنے لگے۔ وہ کوکو کی مدد کے لیے پکار رہے تھے، مگر گھر پر کوئی موجود نہ تھا۔ عمارہ اور اُس کے گھر والے شام کو دیر سے گھر لوٹے، تب تک کوکو تکلیف برداشت نہ کر پایا اور مر گیا۔ کوکو کے مرنے کا دُکھ عمارہ کو تو بہت ہوا، مگر اُس سے بھی زیادہ کتے میاں اداس تھے۔ کتے میاں نے بلی بیگم کو سبق سکھانے کے بارے میں سوچا۔

اگلے دن دوبارہ بلی بیگم عمارہ کے گھر آئیں، کتے میاں نے پنجرے کا دروازہ کُھلا چھوڑ دیا اور خود سونے کی اداکاری کرنے لگے۔ بلی بیگم کُوکُو کو دیکھنے کی غرض سے پنجرے کے قریب آئی۔ دیکھا، آج تو دروازہ کھلا ہے تو وہ اندر جھانکنے لگی، اچانک کتے میاں نے پیچھے سے جھٹ سے پنجرے کا دروازہ بند کر دیا اور بلی بیگم پنجرے میں قید ہو گئی۔ بلی بیگم شور مچانے لگی۔ کتے میاں پنجرے کے سوراخوں سے اپنے لمبے اور نوکیلے ناخن اندر کرتے اور بلی کو ڈراتے۔ بلی بیگم اپنے کیے کی معافی مانگنے لگی۔

کتے میاں بولے: ''کیا اب تمھاری سمجھ میں آیا کہ کسی کو ستانا کیسا ہوتا ہے؟''

بلی بیگم نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کسی کو تنگ نہیں کرے گی۔ کتے میاں نے اس وعدے پر اُسے جانے دیا۔ چند دن بعد عمارہ کے ابو اُس کے لیے ایک نیا توتا لے آئے۔ کتے میاں کی اس سے بھی دوستی ہو گئی، مگر وہ کوکو کے سُریلے گیت اب بھی یاد کرتے ہیں۔

نئے لکھاری

مجرم کی تلاش (4)

محمد عمر بن عبدالرشید۔ کراچی

''مجھے اس کا تعاقب کرنا چاہیے۔''

یہ سوچ کر اِنسپکٹر اَشعر نے اپنی جیپ چندرراؤ کے کار کے پیچھے کرلی۔ چندرراؤ کی گاڑی اب ایک اور سڑک پر مڑ گئی تھی۔ اس سڑک کے دونوں طرف درخت ہی درخت تھے، جب کہ جگہ جگہ سے خراب ہونے کی وجہ سے اس سڑک پر ٹریفک بہت ہی کم ہوتا تھا۔

''اس طرح تو کام نہیں بنے گا۔ آخر اُسے معلوم تو ہو ہی جائے گا کہ میں اس کا تعاقب کررہا ہوں۔ کیوں نا میں یہاں ہی اس سے دو دو ہاتھ کرلوں۔'' یہ سوچ کر اُس نے جیپ روک دی اور گن نکال کر چندرراؤ کی کار کے ٹائر کا نشانہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ چندرراؤ نے گاڑی کو بچانے کی پوری کوشش کی، لیکن پھر بھی نشانہ لگ گیا۔ چندرراؤ کی کار اَب رک چکی تھی۔ وہ کار سے نکل آیا اور تیزی سے بھاگ کر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہوگیا۔ انسپکٹر اَشعر نے یہ دیکھا تو وہ بھی جیپ سے نکل آیا اور بھاگتے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔ اسے چندرراؤ ایک طرف بھاگتے ہوئے نظر آیا۔ وہ بھی اس طرف بھاگا۔

اچانک ہی چندرراؤ اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ کافی دیر بھاگتا رہا اور اُسے اِدھر اُدھر ڈھونڈتے رہا، لیکن وہ نہ ملا۔ آخر اُسے رک جانا پڑا۔

''بزدل کہیں کے! کہاں ہو تم؟ سامنے آؤ۔'' وہ چیخ کر بولا۔

''یہ بزدلی نہیں بے وقوف انسپکٹر! بل کہ حکمت عملی ہے۔'' چندرراؤ کی آواز پورے جنگل میں گونجی۔ اس نے سمت کا تعین کرنا چاہا کہ چندرراؤ کہاں ہے، لیکن نہ کرسکا۔ آخر وہ دوبارہ بولا:

''تو یوں کہو نا کہ مجھ سے ڈرتے ہو! مقابلہ نہیں کرسکتے میرا۔'' یہ کہہ کر وہ چپ ہوگیا اور پوری طرح چوکس ہوگیا، تاکہ اندازہ لگاسکے کہ چندرراؤ کس طرف ہے اور پھر چندرراؤ کی آواز گونجی:

''بہت خوب انسپکٹر! مجھے باتوں میں لگا کر تم سمت کا اندازہ لگانا چاہتے ہو کہ میں کہاں ہوں، لیکن پھر بھی تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔''

اس نے دوبارہ سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی، لیکن لگا نہ سکا۔

''کیوں انسپکٹر! کیا مجھ تک پہنچنا اتنا مشکل ہے۔ جلدی سے مجھے ڈھونڈ لو، بل کہ تم انسپکٹر فراز کو بھی فون کرکے یہاں بلالو۔'' چندرراؤ نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔

''فون تو اُنھیں میں کب کا کرچکا ہوتا، لیکن میرے موبائل کی بیٹری ختم ہوچکی ہے۔''

انسپکٹر اشعر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''ہاہاہا! تم کتنے بے وقوف ہو، میں تو بس کسی طرح تم سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم نے کہیں انسپکٹر فراز یا کسی اور کو فون نہ کردیا ہو، لیکن بھگوان کی کرپا سے تمھارا موبائل ہی بند ہے۔ میرا کام اب اور آسان ہوگیا۔ یہ لو، میں تو چلا۔'' ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک دھماکا ہوا اور اُس کے ساتھ ہی دھواں چھا گیا۔ انسپکٹر اَشعر گرتا چلا گیا اور پھر اُسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا۔ ہوش آیا تو اُس کے سر میں شدید درد ہورہا تھا۔

وہ جلدی سے اٹھا اور اِدھر اُدھر دیکھا، پھر درخت پر مکا مارتے ہوئے چیخا:

''دھت تیرے کی...... میں نے اسے فون کے بارے میں کیوں بتایا۔'' پھر کچھ لمحے سوچنے کے بعد وہ واپس سڑک کی طرف روانہ ہوا۔ سڑک پر پہنچا تو یہ دیکھ کر اُسے شدید جھٹکا لگا کہ اس کی جیپ غائب تھی۔

......(جاری ہے)......

چاچا چونی

شہیر الحق۔ کراچی

چاچا چونی پورے محلے میں مشہور تھے۔ ان کا اصلی نام چودھری تھا، مگر جب سے وہ یہاں آئے ہیں چاچا چونی سے ایسے مشہور ہوئے ہیں جیسے سردیوں میں مونگ پھلی مشہور ہوتی ہے۔

ایک بار چاچا ہوٹل پر چائے پی رہے تھے۔ چائے گرم تھی، اس لیے سُر سُر کر کے پی رہے تھے اور ساتھ ہی غصے میں بڑبڑا بھی رہے کہ اتنی گرم چائے پکڑا دی۔

اسی وقت ان کا پڑوسی دانیال آ گیا اور چاچا کی کمر پر ایک دو ہتھڑ مار کر بولا: چاچا! السلام علیکم!

گرم چائے ایک دم منہ میں جانے کی وجہ سے چاچا کی آنکھیں پھیل گئیں، وہ بولے: ''اندھے ہو گیا! نظر نہیں آ رہا کہ میں چائے پی رہا ہوں؟''

دانیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے انھیں دیکھنے لگا، پھر بولا:

''چاچا! سلام کا جواب تو دے دیتے۔''

چاچا نے جیسے سنا ہی نہیں، بس زبان کو مسلتے رہے۔ اچانک دانیال بولا:

''ارے چاچا! یاد آیا، ہم لوگ توتے پکڑنے جا رہے ہیں۔ آپ چلیں گے کیا؟''

چاچا نے کچھ دیر سوچا، پھر بولے: ''یہ 'ہم' کون ہیں؟''

دانیال بولا: ''چاچا دو اور لوگ ہیں۔''

''اور وہ ہیں کون؟''

''ارے میرے پڑوسی ہیں۔ بس آپ بتائیں، آپ جائیں گے یا نہیں؟''

''ارے، یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے بھلا! میں کیسے نہیں جاؤں گا! توتے پکڑنا تو میرا بچپن کا شوق ہے۔ میرے لیے تو توتے پکڑنا ایسا ہے کہ جیسے بال میں سے مکھن نکالنا۔'' چاچا لمبی لمبی چھوڑتے ہوئے غلط محاورہ بول گئے اور دانیال حیران ہو کر اُنھیں دیکھتا رہا، پھر بولا:

''چاچا! بال میں سے مکھن نکالنا نہیں، مکھن میں سے بال نکالنا۔ اچھا اب چلیں، دیکھتے ہیں آپ کتنے توتے پکڑتے ہیں۔''

''ارے، اتنے پکڑوں گا کہ گن نہیں پاؤ گے۔''

راستے میں انھوں نے شکیل اور عمر کو بھی لے لیا۔ سب نے ایک ایک جال لیا، مگر چاچا نے دو جال لیے اور ایک لاٹھی بھی لے لی۔

عمر نے پوچھا:

''چاچا! یہ دو جال کس لیے ہیں؟''

چاچا بولے:

''توتے ایک جال میں سے نکل جاتے ہیں، اس لیے میں نے دو لیے ہیں۔''

''اور یہ لاٹھی کیوں لی ہے؟'' دانیال نے پوچھا۔

''جو توتا میرے جال میں نہیں آئے گا اسے اس لاٹھی سے ماروں گا۔''

چاچا نے لاٹھی دِکھاتے ہوئے کہا اور باقی لوگ ہنس پڑے۔

''ویسے آج میرا شہد کھانے کا دِل چاہ رہا ہے۔'' اچانک چاچا بولے۔ وہ سب چونک اٹھے، پھر شکیل نے کہا:

''چاچا! توتے پکڑنے ہیں، شہد کی مکھی کا چھتا نہیں۔'' چاچا کچھ نہ بولے، بس چلتے رہے، آخر وہ جنگل میں پہنچ گئے۔

جب یہ لوگ جنگل میں پہنچے تو چاچا ایک درخت پر چڑھنے لگے۔ چاچا نے دیکھا ہی نہیں کہ اس درخت پر شہد کی مکھی کا چھتا ہے۔ چاچا بے خیالی میں درخت پر چڑھتے چلے گئے، آخر وہ چھتے والی ٹہنی پر پہنچ گئے۔ چاچا اگلی ٹہنی چڑھ ہی رہے تھے کہ شہد کے چھتے پر پاؤں لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا! مکھیاں بھنبھناتی ہوئی نکل آئیں۔ پہلی مکھی کا کاٹنا ہی تھا کہ چاچا اچھل پڑے اور درخت سے نیچے گر پڑے۔ نیچے آئے تو پھر اُچھل پڑے، کیوں کہ مکھیاں ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اب چاچا بھاگے اور ''بچاؤ، بچاؤ'' چلانے لگے۔ دانیال، شکیل اور عمر نے دیکھا تو وہ بھی بھاگنے لگ گئے۔ اب وہ سب آگے آگے تھے اور مکھیاں پیچھے پیچھے۔

آخر کافی دور تک پیچھا کرنے کے بعد مکھیوں نے ان کا پیچھا چھوڑا۔

''اب کیا کرنا ہے؟'' شکیل ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بولا۔

''جو کام کرنے کے لیے آئے ہیں وہی کریں گے نا!'' عمر بولا۔

چلو پھر توتے پکڑتے ہیں۔'' چاچا بولے۔

''چلیں، اپنے اپنے جال سنبھالیں۔'' شکیل نے کہا۔

اب وہ سب اٹھے اور درخت پر چڑھنے لگے۔ سب ایک ہی درخت پر چڑھے۔ شکیل نے ایک توتے کو دیکھا اور بولا:

''چاچا! وہ دیکھیں، توتا آپ کی طرف آ رہا ہے۔'' چاچا نے توتے کو دیکھا اور بولے:

''یہ توتا تو میرے نام ہے۔''

یہ کہہ کر چاچا نے جال گھمایا اور ایک دم چلائے:

بقیہ صفحہ نمبر 51 پر

سیدھا راستہ

الطاف حسین۔ کراچی

صورتِ حال ہی کچھ ایسی تھی کہ اسے پریشان ہونا ہی چاہیے تھا، اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ آج بھی جب وہ حسبِ معمول ہاتھ میں فائل تھامے اور چہرے پر مایوسی لیے گھر میں داخل ہوا تو ماں کے خشک ہونٹوں پر ایک ہی سوال تھا:

''بیٹا! مسئلہ حل ہوا؟''

''نہیں اماں!'' اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا اور صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''محمود بیٹا! غم نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ماں نے اسے تسلی دی۔

''جان پہچان والوں کے لیے۔'' محمود ہاتھ میں پکڑی فائل کو تکیے پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''اماں! میں بھاگ دوڑ کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔''

''نہ نہ بیٹا! مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔ اللہ ناراض ہوتا ہے۔'' ماں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اماں! ہر روز اُمید کی روشنی میں گھر سے نکلتا ہوں، لیکن واپسی مایوسی کے اندھیرے میں ہوتی ہے۔'' محمود کے لہجے کی افسردگی کم نہیں ہوئی تھی۔

''بیٹا! تم مایوسی کی باتیں کرنے کے بجائے کوشش جاری رکھو۔ ایک نہ ایک دن تمھیں کام یابی ضرور ملے گی۔ تم پڑھے لکھے ہو، صحت مند ہو، خوش شکل ہو، کیا کمی ہے تم میں؟'' باہمت ماں نے مایوس بیٹے کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

''اماں! ایک کمی تو ہے نا!'' محمود نے کہا تو ماں نے استفساریہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

''وہ کیا؟''

''چاچا ماموں کی۔'' محمود نے مختصر سا جواب دیا۔

''چاچا ماموں کے چکر کو چھوڑو۔'' ماں نے چارپائی پر اُس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیسے چھوڑوں اماں؟ یہاں تو ہر کام اسی ''چکر'' میں ہوتا ہے۔ تعلیم، صحت اور شکل کون دیکھتا ہے؟ آپ تو گھر میں رہتی ہیں، جب کہ میں یہ ''گورکھ دھندا'' روز اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آتا ہوں۔'' محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

''بیٹا!'' ماں اس کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک بات جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمت اور حوصلہ سے کام لینے والوں کی مدد کرتا ہے اور ہماری تاریخ گواہ ہے کہ محمود غزنوی نے سولہ بار ناکام ہونے کے باوجود ہمت نہیں ہاری تھی اور پھر سترھویں حملے میں اس نے سومنات کے بُت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا!''

''اماں! وہ محمود، سلطان بھی تھا۔ اس کے پاس طاقت بھی تھی اور آپ کے محمود کے پاس کاغذ کے چند ٹکڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، جو اُس نے سترہ سال کی محنت کے بعد حاصل کیے ہیں۔ ویسے بھی اماں! مفاد پرستی کے اس بے قدرے دور میں آپ کا محمود کس کس سومنات کو توڑے گا؟ یہاں تو جگہ جگہ ''سومنات'' کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔'' محمود بولا۔

''بیٹا! تم دیکھنا، یہ سبھی سومنات ایک دن ٹوٹ جائیں گے۔ قطرہ قطرہ گرنے والا کم زور پانی بھی ایک دن سخت ترین پتھر میں سوراخ کر دیتا

ہے!'' ماں بات کا رُخ بدلتے ہوئے بولی: ''اچھا چھوڑو اِن باتوں کو، چلو اُٹھو، منہ ہاتھ دھولو، میں سالن گرم کرتی ہوں۔''

''اماں! مجھے بھوک نہیں ہے۔'' محمود چارپائی پر لیٹتے ہوئے بولا۔

''ارے نادان! دوسروں کا غصہ اپنے پیٹ پر کیوں نکالتے ہو۔ چلو اُٹھو، جلدی سے منہ ہاتھ دھولو۔'' ماں نے اسے بازو سے پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہا اور محمود نہ چاہتے ہوئے بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

......☆......

''سر! میں اپنی درخواست کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔'' محمود لمبی چوڑی میز کے پیچھے اعلیٰ قسم کی کرسی پر بیٹھے موٹی توند والے افسر سے مخاطب تھا۔

''کون سی درخواست؟'' افسر نے ایک فائل اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے ادارے کی طرف سے ''جونیئر کلرک'' کی آسامیوں کے لیے اشتہار دیا گیا تھا۔ میں نے بھی آپ کے 'پی۔اے' کے پاس درخواست جمع کرائی تھی۔ ایک ماہ ہوگیا ہے چکر لگاتے ہوئے، مجھے ہر روز کل پرسوں آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ آج بڑی منت سماجت کے بعد 'پی۔اے' نے مجھے آپ سے ملاقات کی اجازت دی ہے۔'' محمود نے وضاحت پیش کی۔

''اچھا!'' افسر نے پہلی والی فائل بند کر کے میز کے دائیں جانب موجود فائلوں پر رکھتے ہوئے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''سر! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' محمود نے استفساریہ انداز میں افسر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''حکم م م م م؟'' افسر نے لفظ حکم کو خاصا لمبا کرتے ہوئے یقین اور مایوسی کے درمیان جھولتے ہوئے محمود کی طرف دیکھا اور پھر فوراً بولا:

''تم اگلی بار کوشش کرنا، اس بار تو کام ہوگیا۔''

''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔'' محمود کے دل کو طرح طرح کے وسوسوں نے گھیرنا شروع کر دیا تھا۔

''تم سمجھ بھی نہیں سکتے۔'' افسر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یہ دفتری معاملات ہوتے ہیں، انھیں تم جیسا آدمی سمجھ نہیں سکتا۔''

''پھر بھی، آپ کچھ تو بتائیے۔'' محمود کے لہجے میں اصرار اور تجسس کی جھلک نمایاں تھی۔

''بچے! میں سیٹ پر ہوتے ہوئے بھی......'' افسر نے کچھ کہتے کہتے اچانک بات کا رُخ بدلا: ''تم یہ بتاؤ کہ 'پاور' کا مطلب جانتے ہو؟''

''جی۔'' محمود نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''بس تم یہ سمجھ لو کہ 'پاور والوں' کا کام ہوگیا اور تم اب چھٹی کرو۔'' افسر نے محمود کو نوکری لگنے سے پہلے ہی ''چھٹی'' کی ''خوش خبری'' سنادی اور ایک اور فائل کھول کر اُس پر جھک گیا۔

آج محمود ایک اور ناکامی کا بوجھ دل پر لیے ''سومنات'' سے باہر نکل آیا تھا۔ چلتے چلتے اچانک وہ رُک گیا۔ وہ اب دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ٹھوڑی پر تیزی سے رگڑتے ہوئے کسی سوچ میں گُم دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ ریلوے اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے قدموں کی رفتار کبھی آہستہ اور کبھی تیز ہوجاتی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ذہنی طور پر کسی کش مکش کا شکار ہے۔

......☆......

''السلام علیکم!'' وہ ریلوے اسٹیشن کے باہر کھڑے ایک ادھیڑ عمر قلی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ''چچا! آپ قلی رب نواز کو جانتے ہیں؟''

''اسے میں نے کچھ دیر پہلے پلیٹ فارم نمبر چار پر دیکھا تھا۔ وہ اب بھی وہیں ہوگا، کیوں کہ ''عوامی ایکسپریس'' آنے والی ہے نا۔'' قلی نے جواب دیا۔

آپ کا بہت بہت شکریہ!'' محمود نے قلی کی طرف تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

محمود نے ایک کاؤنٹر سے پلیٹ فارم ٹکٹ خریدا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پلیٹ فارم کا ''اوور ہیڈ برج'' پار کر کے پلیٹ فارم نمبر چار پر آ گیا۔ یہاں کافی تعداد میں لوگ جمع تھے جو بڑی بے تابی سے آنے والی ٹرین کی راہ دیکھ رہے تھے۔ قلی بھی تین تین اور چار چار کی ٹولیوں میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف نظر آرہے تھے۔ محمود قلیوں کی ٹولیوں کو بغور دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ بالآخر اُسے قلی رب نواز مل گیا۔

''بھائی رب نواز!'' اس نے ایک نوجوان قلی کے پیچھے رُک کر پکارا۔

''ارے محمود بھائی!'' رب نواز نے محمود کی طرف حیرت بھرے انداز میں دیکھا اور پھر پوچھا: ''تم یہاں کیسے؟'' رب نواز، محمود سے ہاتھ ملانے کے بعد خوشی سے دیوانہ ہو کر اُس سے لپٹ گیا۔

''کسی کو لینے نکلا تھا۔'' محمود پٹڑی کو بغور دیکھتے ہوئے بولا: ''لیکن اب کسی اور کو لینے آ گیا ہوں۔''

''کیا مطلب؟ میں تمھاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔ بھئی پہیلیاں نہ

بجھواؤ، جو کہنا ہے صاف صاف کہہ دو۔'' رب نواز نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ......'' محمود کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

''بات بعد میں سن لوں گا۔ آؤ، پہلے میں تمھیں چائے پلاتا ہوں۔'' رب نواز نے جلدی سے محمود کی بات کاٹی اور اُس کا ہاتھ تھام کر ایک ''ٹی اسٹال'' پر آ گیا۔

''جیدو اُستاد! دو چائے، میٹھا پتّی تیز۔'' رب نواز نے چائے کا کہا اور پھر محمود کی طرف مُڑتے ہوئے بولا: ''چلو اَب بتاؤ، تمھاری وہ اصل بات کیا ہے؟''

جواب میں محمود نے اپنی داستانِ غم سنانا شروع کی۔ اس دوران میں چائے بھی آ گئی۔ وہ چُسکیاں لے کر چائے بھی پیتے رہے، باتیں بھی کرتے رہے۔ محمود نے اپنے والد کی ناگہانی موت سے بات شروع کی، اس کے بعد پیش آنے والے نشیب و فراز کے متعلق بتایا اور آخر میں نوکری نہ ملنے کے نتیجے میں دفتر دفتر دھکے کھانے کا ذکر کیا۔ سارا حال بیان کرنے کے دوران میں وہ ریلوے اسٹیشن کی طرف آنے کا اصل مقصد اپنی دانست میں بڑی ہوش یاری سے گول کر گیا۔

''اب میں تمھاری اصل بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ آؤ، میرے ساتھ۔'' رب نواز چائے کے پیسے دینے کے بعد محمود کو بازو سے پکڑ کر ایک ستون کے قریب لے آیا۔

''کیا سمجھ گئے ہو؟'' محمود نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں بے چینی کی جھلک تھی۔

''پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم جیسے لوگ زیادہ پڑھ لکھ لینے کے بعد سیٹ والی نوکری کے چکر میں کیوں پڑ جاتے ہیں؟'' رب نواز قدرے غصے سے بولا۔

''یہ ہمارا حق ہے۔ ہم اسی لیے تو اتنا زیادہ پڑھتے ہیں، لیکن ہماری حاصل کردہ تعلیم کے مطابق ہمیں معیاری نوکری نہیں ملتی۔ قابلیت کے مطابق جب کافی دوڑ دھوپ کرنے کے باوجود مجھے معقول نوکری نہ ملی تو میں نے تھک کر ''جونیئر کلرک'' کی آسامی کے لیے درخواست جمع کرا دی، جس کی تعلیمی قابلیت میٹرک پاس مانگی گئی تھی۔ آج وہاں سے بھی مجھے منفی جواب ملا ہے۔'' محمود نے شکوہ کیا۔

''میں مانتا ہوں کہ تم اور تمھارے جیسے سیکڑوں نہیں، بل کہ ہزاروں نوجوان اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی خاطر دن رات انتھک محنت سے پڑھتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو اِس انتھک محنت کا سوچ کے مطابق صلہ نہیں ملتا۔ یہ ہمارے معاشرے کا ایک المیہ ہے!'' رب نواز محمود کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن جب تک تمھاری مطلوبہ نوکری کا مسئلہ حل نہیں ہوتا تم اپنے لیے پریشانی کیوں کھڑی کرتے ہو؟ معقول نوکری ملنے تک کوئی اور کام کیوں نہیں کر لیتے؟ خواہ مخواہ اپنی صحت اور وقت کو کیوں برباد کرتے ہو؟''

محمود جواب دینے کے بجائے خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔

''بولو کوئی اور کام کرو گے؟ مجھے ہاں یا نا میں جواب چاہیے۔'' رب نواز بولا۔

''ہاں۔'' محمود نے دھیرے سے کہا۔

''اگر تمھارا جواب ''ہاں'' ہے تو پھر اپنے دل و دماغ کو مایوسی میں اُلجھا کر ہمت اور حوصلہ کیوں ہارتے ہو؟ تمھیں اپنی سوچ بدلنی ہوگی، دُرست سمت میں سوچنا ہوگا۔'' رب نواز، محمود کے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ تم جیسے کم ہمت نوجوان حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے جلد ہی ہار مان کر خودکشی کے لیے پھندے تیار کرنے لگتے ہیں، پٹڑی اور کنوئیں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

یار! تم لوگ اس طرح منفی خیالات کو اپنے دل و دِماغ میں کیوں جگہ دیتے ہو؟ اس وقت تم لوگوں کو اُن اپنوں کا خیال کیوں نہیں آتا جو حقیقت میں تم لوگوں کے اپنے ہوتے ہیں۔ تمھیں غلط سمت میں سوچتے اور چلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی بوڑھی ماں کا خیال نہ آیا جو تمھیں دیکھ دیکھ کر جی رہی ہے۔''

رب نواز کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور محمود اُس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا، کیوں کہ رب نواز اُس بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ داستانِ غم سنانے کے دوران میں جو بات محمود گول کر گیا تھا وہ رب نواز کی زبان پر آ گئی تھی۔ کیوں اور کیسے؟ اس بات پر محمود حیران تھا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے اللہ کے فضل سے چہرے پڑھنے کا فن بھی سیکھ لیا ہے!'' رب نواز نے کہا اور پھر اچانک محمود کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا:

''بولو جواب دو، میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔ ایسے گھٹیا انداز میں سوچتے ہوئے تمھیں اپنی ماں کا خیال کیوں نہیں آیا؟''

محمود جواب دینے کے بجائے بدستور شرمندگی کی دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔

''مجھے میرے سوال کا جواب دو۔'' رب نواز نے دوبارہ پوچھا۔

''اماں کا خیال آیا تھا، اسی لیے میرے اندر بہت دیر تک جنگ ہوتی رہی اور پھر اَچانک مجھے تمھارا خیال آیا اور میں ایک قلی سے تمھارے بارے میں پوچھ کر تم سے آملا۔'' محمود نے ایک لمحے کے لیے رب نواز کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ نظریں جھکا لیں۔

''بابو جی!'' رب نواز اُس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا۔

''میں بھی پڑھا لکھا ہوں اور میں نے روزگار کے سلسلے میں تم سے زیادہ دھکے کھائے ہیں۔ ایک دو مرتبہ مایوس ہوا، لیکن اس کے بعد میں نے مایوسی کو اپنی زندگی سے نکال کر دُور، بل کہ بہت دور پھینک دیا اور گھر کا بوجھ اُٹھانے کی خاطر دوسروں کا ''بوجھ'' اُٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔ دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے ہوئے مجھے تین سال ہوگئے ہیں۔''

رب نواز کہتے کہتے چند لمحوں کے لیے رُکا اور پھر دوبارہ بولا:

''اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم پر رحمت کی اور تمھیں حرام موت مرنے سے بچالیا۔ گاڑی آنے والی ہے، میں چلتا ہوں۔ اب تم ایسا کرو کہ سیدھے گھر جاؤ اور کل صبح ٹھیک آٹھ بجے مجھے یہیں اسی جگہ ملنا۔''

محمود نے اثبات میں سر ہلایا اور رَب نواز سے ہاتھ ملا کر ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گیا۔

......☆......

دوسرے دن ''عوامی ایکسپریس'' مقررہ وقت پر اِسٹیشن پہنچی تھی۔ سفید شلوار اور سُرخ رنگ کے کُرتے میں ملبوس محمود (بی۔اے) ایک مسافر کا سوٹ کیس سر پر اُٹھائے آہستہ آہستہ ''اوور ہیڈ برج'' کی طرف بڑھ رہا تھا اور دُور کھڑا رَب نواز اُسے فخریہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے اُس نے ایک بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھا راستہ دکھا دیا تھا۔

بقیہ: نئے لکھاری

''میں نے توتا پکڑ لیا۔''

لیکن چاچا نے جب جال میں دیکھا تو اُس میں عمر کا منہ نظر آیا۔

چاچا نے ایک مرتبہ پھر جال پھینکا، مگر اِس مرتبہ وہ خود جھٹکے سے شکیل کے اوپر جا گرے۔ شکیل، دانیال کے اوپر گرا اور وہ سب درخت سے نیچے گر گئے۔ اچانک اوپر سے عمر چلایا:

''میں کوشش کرتا ہوں۔''

عمر آگے بڑھا ہی تھا کہ لڑھکتا ہوا وہ بھی نیچے آ گیا۔

''چلو بھئی، واپس چلیں یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔'' شکیل کمر سہلاتے ہوئے بولا۔

''ہاں بھئی چلو۔''

اور پھر وہ لوگ واپس آ گئے۔ راستے میں وہ سب ایک ہوٹل پر رُکے۔ چاچا نے چائے پینا شروع کی ہی تھی کہ دانیال، چاچا کی کمر پر دو ہتھڑ مارتے ہوئے بولا:

''خالی ہاتھ جا رہے ہیں!''

چاچا کی آنکھیں پھر چکرا گئیں، وہ دانیال کے پیچھے بھاگے اور بولے:

''تمھیں تو میں نہیں چھوڑوں گا۔'' اور پھر چاچا پیچھے پیچھے اور دانیال آگے آگے۔ باقی لوگ ہنستے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

علم کا ذوق، عمل کا شوق بڑھانے والا بچوں کا رسالہ

ماہ نامہ

ذوق و شوق

کراچی

الحمدللہ! اب تک ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کے مطالعے سے لگ بھگ پچاس ہزار لوگ کتاب دوست بنے چکے ہیں۔

کتاب دوست بنیے اور بنائیے

اپنے عزیز و اقارب اور رشتے داروں کے بچوں کو کتاب دوست بنانے اور صدقہ جاریہ میں حصہ لینے کے لیے ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کے سالانہ خریدار خود بھی بنیے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیجیے۔

سالانہ خریداری کے 1000 روپے آپ درج ذیل اکاؤنٹ نمبر میں جمع کرواسکتے ہیں۔ اپنا نام، رابطہ نمبر اور جس ماہ سے جاری کروانا ہے ہمیں واٹس اپ کیجیے اور ہر ماہ گھر بیٹھے ماہ نامہ ''ذوق و شوق'' کا مطالعہ کیجیے۔

خط و کتابت کا پتا

ماہ نامہ ذوق و شوق، پی۔ او۔ بکس: 17984، گلشن اقبال، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75300

رابطہ نمبر: 021-34990760 ای میل: zouqshouq@hotmail.com

zouq o shouq 0324-2028753

اکاؤنٹ نمبر

Bank: **Meezan Bank** Title: **Bait ul ilm trust zouq o shouq**
Account Number: **0179-0103431456**
Address: **Soldier bazar branch, Karachi.**

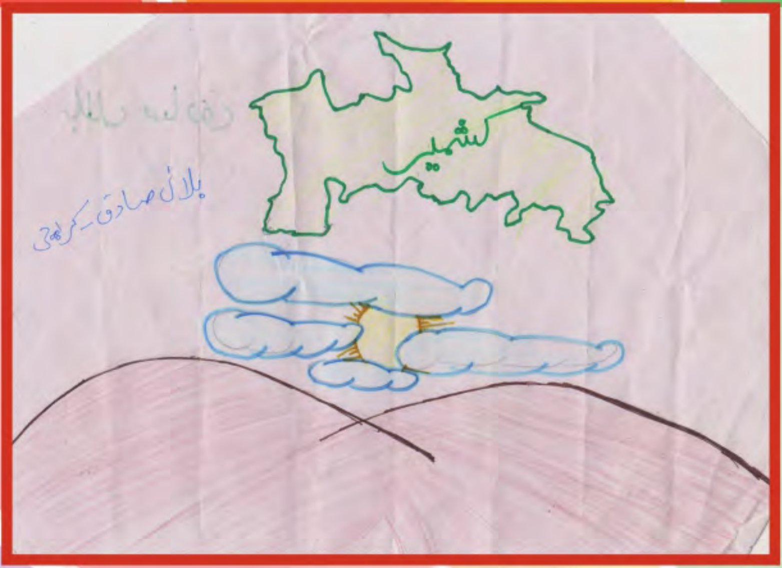

کشمیر
بلال صادق۔کراچی

ذوق وشوق
حافظ محمد عبدالباسط
ماجدہ بانو
کراچی

ذوق وشوق
Winner Zoq e shoq
Umama
D/o Zahid
Karachi

ذوقِ مصوری

ع ک انصاری
جھنگ

دسمبر کا سرورق زبردست تھا۔ اس شمارے کا آغاز ''پیغام الٰہی'' اور ''پیغام نبویؐ'' اور آپ کی ''علیک سلیک'' سے کیا۔ اس مرتبہ ''ذوقِ معلومات'' کافی مشکل لگا۔ نئے لکھاری میں ''مجرم کی تلاش'' اچھی جا رہی ہے۔ ''بلاعنوان'' کہانی اچھی لگی۔ خطوط تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی، مگر تھے ہی نہیں تو ملتے کیسے؟

(حفصہ قمر۔ کراچی)

سرورق دیکھتے ہی سردی لگنے لگی۔ تمام شمارہ بہت ہی دل چسپ اور شان دار تھا۔ اللہ ''ذوق وشوق'' کی تمام ٹیم کی محنت کو قبول فرمائے۔

(عبداللہ عبدالرحمٰن۔ کراچی)

دسمبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ سرورق بھی بہت زبردست تھا۔ (صدف حیدر۔ حیدرآباد)

دسمبر کی تمام کہانیاں ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ''پانی کہانی'' ہمیشہ کی طرح اچھی تھی۔ غرضے کہ ہر لکھاری نے اچھا لکھا۔

(احمد فاروقی۔ کراچی)

تمام سلسلے ذوقِ معلومات، سوال آدھا، جواب آدھا زبردست اور آسان تھے۔ پورا شمارہ پڑھ کر ''ذوق وشوق'' کی ٹیم کے لیے دل سے دعا نکلی۔

(خرم اعوان۔ کراچی)

میں ماہ نامہ ''ذوق وشوق'' کا پچھلے چھے سال سے قاری ہوں اور بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ کہانیاں بہت مزے دار تھیں۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔

(عبداللہ شیخ۔ کراچی)

دسمبر کا سرورق زبردست تھا۔ پورا شمارہ ماشاءاللہ! زبردست تھا۔

(محمد صالح۔ کراچی)

دسمبر کے شمارے ''سیر سپاٹا نمبر'' کی سب تحریریں نمایاں تھیں۔ ہر تحریر اپنی مثال آپ تھی۔ نظمیں بھی بھرپور رنگ جما رہی تھیں۔

(بلال کامران۔ کراچی)

دسمبر کا سرورق دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پورا شمارہ ہی اچھا تھا، مگر ''صف شکن'' کے بغیر رسالہ ادھورا ادھورا سا لگ رہا ہے۔ خیر، اللہ اس رسالے کے پڑھنے اور لکھنے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا ذریعہ بنائے۔

(مریم عبدالرزاق۔ کراچی)

دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا اور ہم خوش ہو کر آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں اور ادارے کے لیے دعا گو بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِس محنت کو قبول فرمائے اور مزید ترقیوں سے نوازے۔ (اشرف علی۔ کراچی)

دسمبر کا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ آپ ''سوال آدھا، جواب آدھا'' میں بہت مشکل سوالات دیتے ہیں۔

(محمد مبین۔ کراچی)

آپ کے شمارے نے سردیوں کی چھٹیوں کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ اس سرد موسم میں آپ جو محنت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ

خط جو آپ کا ملا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دسمبر کا سرورق دیکھ کر سردی محسوس ہوئی۔

(عبدالحفیظ آرائیں۔ کراچی)

انکل! مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ اس رسالے کے تمام سلسلے لاجواب ہیں۔

(محمد عمر۔ کراچی)

دسمبر کی سب کہانیاں زبردست تھیں۔ پلیز، میرا یہ خط ضرور شائع کیجیے۔

(میمونہ عبدالسلام۔ کراچی)

دسمبر کا شمارہ کافی مزے دار کہانیاں ساتھ لایا۔

(عمر سہیل۔ کراچی)

سب لکھنے والوں اور معاونین کی نصرت کرے۔

(حمزہ یامین۔ کراچی)

☜ دسمبر کا شمارہ ملا۔ آپ نے ''علیک سلیک'' میں اچھی باتیں بتائیں۔ سارا شمارہ بہت اچھا تھا۔ آپ نے کسی شمارہ میں اپنے ازبکستان کے سفر کے حالات سنانے کا کہا تھا۔ اسے بھی جلد عملی جامہ پہنایئے۔

(عمران شمس۔ کراچی)

☜ دسمبر کے مہینے کا سرورق شان دار تھا۔ باقی سب کہانیاں شان دار تھیں۔

(لائبہ مطلوبہ۔ میانوالی)

☜ پہلی بار ماہنامہ ذوق وشوق پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ خوب صورت سرورق سے مزین، اور دل چسپ اور لاجواب تحریروں سے سجا رسالہ اپنی مثال آپ رہا۔ ''سیرت کہانی'' اور مستقل سلسلے بھی خوب رہے۔ ہمیں شمارہ پڑھ کر اُس پر اپنی رائے بھی دینی چاہیے اور اُس کے احباب کی بھرپور حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے، تاکہ وہ بہتر سے بہترین پیش کرسکیں۔ ''پیغام الٰہی'' اور ''پیغام نبی ﷺ'' سے مستفید ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ یوں تو تمام ہی تحریریں بے حد پسند آئیں، کسی ایک کی تعریف کرنا زیادتی ہوگی، مگر جو بہت اچھی لگیں ان میں ارسلان اللہ خان کی نظم، ''سیرت کہانی'' زیادہ اچھی لگیں۔ ہر تحریر اپنی مثال آپ ہے۔ تحریروں کے علاوہ مستقل سلسلے بھی بہت اچھے لگے۔

(محمد رمضان شاکر۔ پاک پتن)

سوال آدھا، جواب آدھا ⓮ کے درست جوابات

1. 9 (سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ انبیاء، سورۂ نمل، سورۂ سبا اور سورۂ ص)۔
2. ساتویں منزل (آیات کی تعداد 1518)۔
3. ''غزوۂ خندق'' کے موقع پر جس جگہ پر حضور نبی کریم ﷺ کا خیمہ مبارک نصب تھا۔
4. حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (آپ تاریخِ اسلام میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں)۔
5. مصر۔
6. اسکواڈرن لیڈر (پاکستان ائیر فورس)۔ لیفٹیننٹ کمانڈر (پاکستان نیوی)۔
7. K-2 (پاکستان میں واقع یہ پہاڑی چوٹی کی بلندی 28250 فُٹ ہے اور اِسے دنیا کی دوسری بلندترین پہاڑی چوٹی کا اعزاز حاصل ہے)۔
8. So2۔
9. سکیورٹی آفیسر (Security Office)۔
10. بے وفائی کرنا/ تُرش رَوئی سے پیش آنا۔

ذوقِ معلومات ۵۶ کا درست جواب

☆ برازیل

قرآنی کوئز ④ کے درست جوابات

1. سورۂ علق۔
2. سورۂ مزمل۔
3. ۱۰۔
4. سورۂ بقرہ۔
5. سورۂ رحمٰن۔

KID'S
Collection shoes

New Arrivals
Now At Store

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

اسکول شوز ہر سائز میں ۔۔۔ چھے ماہ کی گارنٹی کے ساتھ ۔۔۔

Shop No. 9, Star Centre, Near Chawla Centre,
Main Tariq Road Karachi. Ph: 021-34315359

NEW OPENING
HAND BAGS
20% OFF

She shoes
Shoes for ladies and kids

New Arrivals
Now At Store

10% OFF
ON ALL DISPLAY ITEMS
LIMITED TIME OFFER

SCHOOL SHOES & PT SHOES
AVAILABLE ONLY 790/=

FANCY CLUTCH
& WALLET

ذوق وشوق
میگزین ساتھ لانے
پر اسپیشل
10%
ڈسکاؤنٹ

Shop No. 14-15, Lavish Mall, Opp. Rabi center,
Main Tariq Road, Karachi. Tel.: 0213-4547778, 0213-34327331

کوپن برائے
بلاعنوان ۱۶۲

نام: ________ ولدیت: ________
مکمل پتا: ________
فون نمبر: ________

کوپن برائے
ذوقِ معلومات ۶۱

نام: ________ ولدیت: ________
مکمل پتا: ________
فون نمبر: ________

سوال آدھا جواب آدھا ۱۷

نام: ________ ولدیت: ________
مکمل پتا: ________
فون نمبر: ________

کوپن برائے
قرآن کوئز ۶

نام: ________ ولدیت: ________
مکمل پتا: ________
فون نمبر: ________

مقابلۂ خوش خطی ۵

نام: ________ ولدیت: ________
مکمل پتا: ________
فون نمبر: ________

ہدایات: جوابات ۲۸ فروری ۲۰۲۱ء تک ہمیں موصول ہوجانے چاہییں ...... ☆ ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا......

☆ کمیٹی کا فیصلہ حتمی ہوگا جس پر اعتراض قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جائیں گے۔

پیارے بچوں کے لیے
پیاری کتابیں

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی۔
+92-312-3647578 ، +92-21-32726509

17 الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
+92-321-4361131 ، +92-42-37112356

ای میل: mbikhi.pk@gmail.com، ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

سلسلۂ

تحفۃ الدعاء

دعا عظیم نعمت اور انمول تحفہ ہے، دعا اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس سے راز و نیاز کا ذریعہ ہے، دعا مایوسی میں امید کی کرن ہے، دعا کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام مسائل حل کروا سکتے ہیں، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اسی فکر کے پیشِ نظر "مکتبہ بیت العلم" نے تحفۃ الدعا سیریز کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! اس سیریز کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

MaktabaBaitulilm

بیتُ العِلم

Karachi Ph : 021-32726509
Lahore Ph : 042-37112356
www.mbi.com.pk